لجنہ اماء اللہ جرمنی کا ترجمان

خدیجہ

فرانکفرٹ

باہتمام:

لجنہ اماء اللہ، جرمنی

خصوصی شمارہ ہجرت نمبر

مجلس ادارت

صدر مجلس زینت حمید
صدر لجنہ اماء اللہ جرمنی

زیر نگرانی کوثر شاہین ملک
سیکریٹری اشاعت لجنہ

مدیرہ ثریا رشید

معاونین
شمس الحق
انور احمد ملک
مسعود جاوید

اردو کمپوزنگ محمد اکرم شاہد

انڈکس

اداریہ
تاریخ انبیاءؑ
تاریخ اسلام سے ایک ورق
داغ ہجرت
واقعہ ہجرت
خطاب سیدنا امیر المومنین
ہجرت کی برکات
ہجرت کے بعد جرمنی سے اہل ربوہ کے نام خط
اک دیا میں بھی جلاؤں روشنیوں کے شہر میں
گفتگو کے نام سے وہ پھول برسانے لگے
اسیران ساہیوال کی رہائی کی دلچسپ و ایمان افروز روئیداد
حضرت مسیح موعودؑ کا عشق رسول
مکرم محمد الیاس منیر صاحب اسیر راہ مولیٰ سے انٹرویو
ہجرت کا خصوصی انداز
مہاجرین کی ذمہ داریاں
آرزوئے تعبیر
نظم
پردہ کی روح
سفر، ہمسفر اور وہ منزل حسین

اداریہ

الحمد للہ کہ لجنہ اماء اللہ جرمنی کو امسال یہ توفیق مل رہی ہے کہ وہ خدیجہ کا ہجرت نمبر پیش کر کے اپنی بہنوں کو ہجرت کے تقاضوں کی طرف توجہ دلائے اور پاکستان سے یورپ کی طرف ہجرت کرنے کے نتیجے میں ان پر جو جماعتی قومی اور اخلاقی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کو پورا کرنے کی طرف توجہ دلائے ۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

الذین آمنوا و ھاجروا و جاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم و انفسھم اعظم درجۃ عند اللہ و اولئک ھم الفائزون یبشرھم ربھم برحمۃ منہ و رضوان-

(سورۃ توبہ ۲۰)

کہ وہ لوگ جو ایمان لائے پھر انہوں نے ہجرت بھی کی پھر اللہ کی راہ میں اپنے اموال جانوں سے جہاد کیا ان کے لئے ان کے خدا کے ہاں ایک عظیم درجہ ہے اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ان کو خدا تعالیٰ اپنی جناب سے رحمت اور سب سے بڑھ کر اپنی رضا کی نعمت ان کو عطا کرے گا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن لوگوں کو خدا کے نبی کے ذریعے حقیقی اور زندہ ایمان کی دولت ملی ان کو اپنا ایمان اپنی تمام رشتہ داریوں جائدادوں اور اپنے وطن سے زیادہ عزیز ہے اور جب ایسے مومن اپنے وطن میں ایمان کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتے اور انہیں عبادات سے روک دیا جاتا ہے تو وہ خدا کی خاطر دوسرے ممالک میں ہجرت کر جاتے ہیں جہاں وہ مذہبی آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہو کر اپنے فرائض بخوبی بجا لا سکتے ہیں اور اس ملک کی مادی ترقی اور خوشحالی انہیں اپنے عظیم مقاصد سے غافل نہیں کر دیتی اور نہ ہی مذہبی ان کی قربانی کی روح کو کمزور کر دیتی ہے اور وہ دنیا کی طرف مائل نہیں ہوتے وہ اپنے اموال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور مالی قربانی کی ہر تحریک پر وہ لبیک کہتے ہیں اسی طرح اموال کے علاوہ ان کی جانیں بھی اسی مقدس جہاد میں مصروف رہتی ہیں وہ ہر لحہ اپنے نفوس کی پاکیزگی کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور جماعتی ترقی کے لئے اپنے نفوس کے آرام اور اپنی ذاتی خواہشات قربان کرتے ہیں ایسے ہجرت کرنے والوں کے لئے خدا کے حضور عظیم درجہ ہے اور ایسے ہی ہجرت کرنے والے خدا کی رحمت اور اس کی رضا کے مستحق ٹھہراتے ہیں۔ حدیث کی مشہور کتاب احمد بن حنبل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں ہجرت کا ایک بالکل اچھوتا مضمون بیان ہوا ہے جو مذاہب کی تاریخ میں کسی دوسرے نبی نے بیان نہیں کیا آپ سے ایک صحابی نے سوال کیا کہ فما الھجرۃ کس چیز کا نام ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ان لھجر السوٓ کہ تو برائی کو ترک کر دے اس حدیث سے پتہ لگتا ہے کہ انسان کے اندرونی عالم میں بھی بہت سی دنیائیں آباد ہیں اور مومن ہمیشہ اس بات میں کوشاں رہتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں خامیوں اور کمزوریوں کی دنیا سے کوشش کر کے نیکیوں اور اصلاح نفس کے عالم میں ہجرت کرے۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اس اندرونی ہجرت کو توفیق عطا کرے اور ہم سب خدا کی رضا کی خاطر اس اندرونی ہجرت کی توفیق پانے والے ہوں اور اس کی برکات سے مستفیذ ہوں ۔آمین
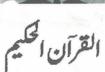
القرآن الحکیم

الذین امنوا و ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عند اللہ و اولئک ھم الفائزون یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان۔

(سورۃ التوبہ آیت ۲۰)

وہ لوگ جو ایمان لائے پھر انہوں نے ہجرت بھی کی پھر اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور جانوں سے جہاد کیا ان کے لئے ان کے خدا کے ہاں ایک عظیم درجہ ہے اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ان کو خدا تعالیٰ اپنی جناب سے رحمت اور سب سے بڑھ کر اپنی رضا کی نعمت ان کو عطا کرے گا۔

الحدیث

خلوص نیت اور حسن ارادہ

حدثنا الحمیدی قال حدثنا یحیی بن سعید الانصاری قال اخبرنی محمد بن ابراھیم التیمی انہ سمع علقمۃ بن وقاص اللیثی یقول سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ علی المنبر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ وسلم یقول: انما الاعمال بالنیات، وانما لکل امریء مانوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ و رسولہ ومن کانت ھجرتہ لدنیا یصیبھا اوامراۃ ینکحھا فھجرتہ الی ماھاجر الیہ وفی روایۃ الی دنیا یصیبھا اوالی امراۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ماھاجر الیہ۔

(بخاری کتاب الایمان والنذور باب النیۃ فی الایمان ۔ مسلم کتاب الامارۃ باب انما الاعمال بالنیۃ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ سب اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ اور ہر انسان کو اس کی نیت کے مطابق ہی بدلہ ملتا ہے۔ پس جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کی (اور ان کی خوشنودی کے لئے اپنے وطن اور خواہشات کو ترک کیا) اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لئے ہی ہو گی۔ لیکن جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر ہجرت کی تو اس کی ہجرت کی غرض خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی یہی سمجھی جائے گی۔ اور ثواب میں سے اس کو کچھ نہیں ملے گا۔

پاکستان سے ہجرت کے بعد ۳۰ اپریل ۱۹۸۴ء کو "محمود ہال" لندن میں

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا

احباب جماعت سے پہلا خطاب

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

پاکستان میں احمدیوں کو ہر حق سے محروم کیا گیا ہے یہاں تک کہ اپنی مسجدوں کے اندر بھی وہ اپنی زبان میں ایک دوسرے کو لاؤڈ سپیکر پر نصیحت بھی نہیں کر سکتے اور نتیجہ یہ نکلا ہے کہ یہ جو واقعہ ہوا ہے جو آرڈیننس جاری کیا گیا ہے اسلام کے نام پر نہایت بہیمانہ بھیانک اور تاریک اس آرڈیننس کے ذریعہ جماعت احمدیہ کے خلیفہ کو جماعت کو نہ صرف یہ کہ لاؤڈ سپیکر پر خطاب سے محروم کیا گیا بلکہ ایسے اقدامات کئے گئے ہیں جن کے نتیجہ میں جماعت پاکستان خلیفہ وقت کے وہاں رہتے ہوئے بھی اس کے خطابات سے محروم رہ جائے کس طرح وہ میں تفصیل بیان کروں گا لیکن سر دست جو چند دن مجھے وہاں گذارنے پڑے اس وقت کیفیت یہ تھی کہ ہزارہا احمدی بڑے دکھے ہوئے دلوں کیساتھ ربوہ پہنچ رہے تھے اور ربوہ کے مختلف محلوں کے لوگ بھی قریباً مجنونانہ حالت میں مسجد مبارک میں اکٹھے ہوتے تھے اور وہاں نمازیں پڑھتے تھے اور اس کے باعث ایک تو مجھے بہت اونچی آواز سے تلاوت کرنی پڑی ہے جو ساری زندگی میں بھی اتنی اونچی آواز سے میں نے نہیں کی۔ کیونکہ عادتیں ہماری لاؤڈ سپیکروں نے خراب کر دیں اور آوازوں میں بھی نرمی پیدا کر دی تھی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ حضرت مصلح موعودؓ کو کتنا زور لگانا پڑتا ہو گا جلسہ سالانہ کے موقع پر اور کتنی محنت کرنی پڑتی تھی اور کیوں مسلسل آپ کا گلہ خراب رہتا تھا۔ کہ زندگی میں کوئی بھی دن مجھے یاد نہیں جب آپ کا گلا خراب نہ ہو۔ لیکن جو P تھے جو demands تھیں وہ اتنی سخت تھیں کہ گلے کا قائم رہنا معجزہ ہے خراب رہنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے تو ابھی تو مجھے عادت نہیں پڑی تھی چونکہ شروع کا اثر تھا گلے پر وہ نہایت ہی خوفناک تھے کہ گہرے زخم پڑ گئے ہیں نیچے تک۔ پھر مجھے ان سے تھوڑا سا خطاب بھی کرنا پڑتا تھا باوجود اس کے کہ اس وقت ہر وقت یہ خطرہ تھا کہ اس خطاب کے نتیجہ میں کسی وقت گورنمنٹ مجھے ہاتھ ڈال سکتی ہے۔ ہاتھ ڈالنے کے لئے انہوں نے کوئی limitation اپنے لئے چھوڑی ہی نہیں باقی۔ ایسا قانون ہے جس کے نتیجے میں ہر پولیس افسر جس کو چاہے جس وقت چاہے احمدی کو پکڑ لے اور تین سال کے لئے اس کے خلاف مقدمہ دائر کر دے۔ کوئی شریف انسان کی حفاظت کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہا وہاں پر۔ اس کے باوجود کیونکہ وہ وقت ایسا تھا۔ میں تیار تھا اگر خدا کی تقدیر یہی چاہتی تو ٹھیک تھا میں نے کئی موقعوں پر نماز کے بعد انکو بڑی بلند آواز سے مخاطب کر کے ان کی دلداری کے لئے ان کے حوصلے کے لئے الفاظ کہے اور اس سے زیادہ ان کو نظم و ضبط سکھانے کے لئے الفاظ کہے جس کے لئے میں مجبور تھا۔ کیونکہ جو کیفیت پیدا ہوئی ہے پاکستان کے احمدی کی احمدی کے دل میں وہ ایسی حیرت انگیز ہے کہ باہر کی جماعتیں اس کا کوئی تصور نہیں کر سکتیں۔ کم سے کم سو گنا زیادہ انرجی ان کے اندر پیدا ہو چکی ہے اور جو قربانی کا جو جذبہ ہے اس طرح اچھل رہا ہے کہ یہ سوال نہیں تھا کہ ان کو کہا جائے کہ حوصلے میں رہو یہ سوال تھا کہ ان کو واسطے دے دے کر عہد بیعت کے اور خدا کے واسطے دے دے کر میں نے ان کو روکا کہ ایک احمدی نے بھی کوئی غیر ذمہ دار حرکت نہیں کرنی تم نے مجھ سے عہد کیا ہوا ہے کہ میری ہر بات کو تسلیم کرو گے خدا اور اس کے رسول کے نام پر۔ اس

لئے جب تک میں اجازت نہ دوں جب تک میں تمھیں نہ بتاؤں کہ ہمارا کیا رد عمل ہونا چاہئیے اور کس طرح ہم نے جدوجہد کرنی ہے عظیم الشان اس وقت تک تم نے اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کرنا۔ صرف میں تمہیں خدا کے حضور رونے کی اس وقت اجازت دے رہا ہوں اس سے زیادہ نہیں دیتا اور نتیجہ یہ تھا کہ سارے پاکستان کی مسجدوں میں یہ کیفیت تھی جس طرح بکرے ذبح ہو رہے ہوں صبح و شام۔ چھوٹی سے چھوٹی مسجد کی بھی یہی کیفیت تھی اور بڑی سے بڑی مسجد کی بھی یہی کیفیت تھی اور ہے کہ یونس علیہ السلام کی قوم نے کیا گریہ و زاری کی ہو گی جو آج مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے غلام اس وقت گریہ و زاری کر رہے ہیں۔ اور میں نے انہیں بتایا کہ میں جو تمہیں روک رہا ہوں میں جانتا ہوں کہ اس کے نتیجے میں تمہارا صبر صرف آسمان کی طرف روانہ ہو گا۔ جب سارے راستے بند کر دیئے جائیں ایک عظیم الشان طوفان کے ایک عظیم الشان قوت کے تو وہ توڑ دیا کرتی ہے برتنوں کو۔ جب تک رستہ نہ بتایا جائے کہ کس رستے پر تم نے نکلنا ہے اور وہ رستہ میں نے تعین کیا مجھے بتانا پڑا کہ وہ رستہ ہے دعاؤں کے ذریعے آسمان کی طرف رخ کرو اور اس قوت اور زور اور درد کے ساتھ دعائیں کرو کہ آسمان کے کینگرے لرزنے لگیں تمھاری دعاؤں کے ساتھ اور تم نے اپنے غم کی حفاظت کرنی ہے کسی قیمت پر اس غم کو نہیں مرنے دینا یہاں تک کہ خدا کی تقدیر تمھارے غم کو خوشیوں میں بدل دے یہ دور ہے ہمارے لئے دکھوں کا دور اور یہ مقدس دکھ ہے اور میں نے ان کو بتایا کہ دیکھو میں ایک عظیم الشان انقلاب دیکھ رہا ہوں تمھارے اندر ایک دن کے اندر اتنی روحانیت پیدا ہو گئی ہے کہ سینکڑوں سال کی نصیحتیں وہ روحانیت پیدا نہیں کر سکتیں تھیں یہ اللہ کی تقدیر نے کام کیا ہے یعنی ساری دنیا کے غم بھول گئے سارے مقاصد بھول گئے۔ ساری زندگیاں حاضر کرنے کے لئے جماعت وہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اجازت ہو تو لاکھوں آدمی ایک دن میں ذبح ہونے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ اس قوم کو پتہ ہی نہیں کہ ہم چیز کیا ہیں ...... نعرہ .... نعرے نہیں لگائیں اس وقت نظم و ضبط کی باتوں کا وقت ہے ہوش کے ساتھ بڑے گہرے سوچ و فکر کے ساتھ ہم نے ایک لائحہ عمل طے کرنا ہے اور میں آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ کس دور میں جماعت داخل ہوئی ہے اس لئے اس وقت مجھے کوئی نعرہ نہیں چاہئیے - ہاں رات کو اٹھیں اور جو گریہ و زاری جتنی چاہیں کریں قیامت مچا دیں بے شک اس وقت وہ ٹھیک ہے لیکن نعروں کے ذریعے آپ اپنا جوش نکال دیں مجھے تو ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے ان باتوں کی۔ ایک ایک اونس انرجی کا ہم نے صحیح مقصد پر خرچ کرنا ہے۔ ایک ذرہ بھی انرجی کا غلط مقصد پر ضائع نہیں ہونے دینا۔ کیونکہ کام بہت زیادہ ہے اور ایک ایک ذرے کی ہمیں طاقت کی ضرورت پڑے گی اور اس کو maintain کرنے کے لئے وقتی جوش کی تو ضرورت ہی نہیں اور نہ وہ کام آیا کرتے ہیں قوموں کے - یہ تو جہالت کے قصے ہوتے ہیں کہ چند دن شور مچا دیا اور پھر آرام سے بیٹھ گئے۔ ہم نے تو ایسی پلاننگ کرنی ہے کہ سو سال ہزار سال بھی اگر ہمیں مسلسل قربانیاں دینی پڑیں تو دیتے چلے جائیں گے اور نہ اللہ کی تقدیر سے شکوہ کرنا ہے اور نہ ظالموں کی طرف دیکھنا ہے کہ وہ ہم پر رحم کرے صرف اور صرف خدا پر نظر رکھنی ہے اور پلاننگ ایسی کرنی ہے کہ مسلسل محنت کے ساتھ بغیر تھکے اپنا کام کرتے چلے جائیں اور خدا کا کام خدا پر چھوڑیں وہ مالک ہے جب چاہے گا اس کا فیصلہ آئے گا اور جب اس کا فیصلہ آیا کرتا ہے بڑے بڑے قوموں کے پہاڑ بھی چکنا چور ہو جایا کرتے ہیں طاقت نہیں ہوتی کسی کی مجال نہیں ہوا کرتی کہ خدا کی تقدیر کے سامنے روک بن کر کھڑا ہو جائے اس لئے ہوش کے ساتھ بات سنیں جو میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔ وہاں جو فیصلہ کیا گیا ہے اس کے نتیجہ میں پاکستان میں کسی احمدی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ زبان سے یا ایسے ذریعے سے جس میں زبان یا تحریر نہ بھی استعمال ہو لیکن اس کی bearing اس کا چال چلن اس کو مسلمان ظاہر کرتا ہو اگر وہ ایسا کرے گا تو تین سال کے لئے پاکستان کے قانون کے مطابق جیل میں بھجوایا جانے کے لائق ہو گا۔ اور صحابہ کرام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق وہ کوئی دعائیہ کلمات ایسے استعمال نہیں کر سکتا جو قرآن نے سکھائے ہیں۔ اور کوئی قرآنی اصطلاح استعمال نہیں کر سکتا باوجود یہ ایمان رکھنے کہ قرآن

میرے لئے واجب التعمیل ہے اور اس کا حکم میرے لئے ماننا ضروری ہے۔ اذان نہیں دے سکتا اور یہ ساری باتیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا قرآن یا خدا کی محبت ثابت ہوئی ہو۔ یہ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ ہم مجبور کر رہے ہیں تمہیں کہ اس سے دل آزاری ہوئی ہے۔ اور قانون کے الفاظ یہ ہیں کہ یہ قانون اس لئے بنایا جا رہا ہے کہ تا کہ قادیانیوں کو اسلام دشمن سرگرمیوں سے روکا جائے اور اسلام دشمن سرگرمیوں کی تعریف یہ ہے کہ اذان نہیں دیں گے ، وہ اسلامی اصطلاحیں استعمال نہیں کریں گے ، عبادت گاہوں کو مسجد نہیں کہیں گے یہ اسلام دشمن سرگرمیاں ہیں تو ساری ڈکشنری کی کایا پلٹ دی گئی ہے سارے مضامین میں ایک ایسا انقلاب آگیا ہے کہ خرد کا نام جنوں رکھ دیا۔ جنوں کا خرد ، جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔ صرف حسن کرشمہ ساز کا لفظ یہاں اوپرا اوپرا ہے باقی باتیں وہی ہیں۔ یہ جو نہایت خوفناک بھیانک داغ لگایا جا رہا ہے اسلام کی آزادی کے اوپر اور آزادی ضمیر کے اوپر اس کے لئے اور کوئی طریق ان کے لئے باقی نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ کلیتاً ہر حق سے احمدی کو محروم کر دیا جائے۔ اور یہ عجیب واقعہ ہوا ہے جو دنیا کی تاریخ کے لحاظ سے پہلا ہے یعنی سیاسی چونکہ نام پر سیاسی حکومت کی طرف سے ایک فیصلہ ہوا ہے اس لئے یہ پہلا ہے۔ مذہب میں پہلا نہیں ہے۔ آج تک سیاسی حکومتوں کی طرف سے کبھی یہ واقعہ نہیں ہوا تھا کہ ٹارچر اور ظلم کے ذریعے کسی کو جھوٹ بولنے پر مجبور کرے۔ ٹارچر اور ظلم سچ نکلوانے کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جب سچ نکلتا تھا تو ان کو وہ مانتے تھے یا نہیں مانتے تھے یہ بالکل الگ بات ہے۔ بعض دفعہ پھر بھی نہیں مانتے تھے۔ لیکن مقاصد ہمیشہ ٹارچر کے دنیاوی حکومتوں کی طرف سے جنگوں میں بھی اور ویسے بھی یہ رہے ہیں کہ ظلم کر کے سنا کر سچ نکلوایا جائے اور یہ پہلا تاریخی واقعہ ہے کہ ایک سیاسی حکومت نے یہ فیصلہ کیا

ہے کہ ظلم کر کے جھوٹ نکلوایا جائے۔ جب تک کوئی جھوٹ نہ بولے اس وقت تک ظلم کرتے چلے جاؤ اور سچ نہیں بولنے دینا۔ چنانچہ یہ فیصلہ ہوا ہے کہ کامل یقین کے ساتھ .... تو یہ قانون بنایا گیا کہ احمدی اگر سو فیصدی یقین رکھتا ہے اپنے اوپر کہ میں مسلمان ہوں اور یہ ایمان رکھتا ہے کہ جب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر میرا ایمان ہے میں قرآن کے ہر حکم کو واجب التعمیل سمجھتا ہوں خدا کی توحید کا قائل ہو ، جنت ، جہنم، فرشتے ، یوم آخرت ، گذشتہ انبیاء ، ان کی وحیاں ، ان کی کتب ، ملائکہ پر ایمان رکھتا ہوں تو میرے نزدیک اسلام کی یہی تعریف ہے اور جب تک اس کا یہ ذہن نہ بدلا جائے یہ تعریف غلط ہے وہ مجبور ہے اپنے آپ کو مسلمان سمجھنے پر اس لئے کوئی دوسرا بلا سے کچھ بھی سمجھتا رہے اس کو اس حق سے دنیا کی کوئی طاقت محروم نہیں کر سکتی کہ تم جو اپنے آپ کو سمجھتے ہو اس کے خلاف بیان دو اور یہ کہو کہ تم غیر مسلم ہو یعنی توحید کے قائل نہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ جھوٹے تھے ، نعوذ باللہ قرآن غلط کتاب ہے اور تعمیل کے قابل نہیں ہے ۔ پیروی کے لائق نہیں ہے۔ یہ ہے غیر مسلم ہوں کا دعویٰ اور اس کے نتیجے اور جب تم یہ کہو گے تو ہم تمہیں آزادی سے پھرنے دیں گے اور اگر تم یہ نہیں کہو گے اور تائید کرو گے اس بات کی کہ خدا ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ اعلان کرو گے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے ہیں اور جو مرضی ہم پر گذر جائے ہم آپ کی سچائی کا انکار نہیں کریں گے اور اگر تم یہ اعلان کرو گے کہ میں قرآن کو اپنا امام سمجھتا ہوں ایسا امام جس کے ایک ذرے کے حکم سے بھی میں باہر نہیں جا سکتا اور جب یہ اعلان کرو گے کہ فرشتے برحق ہیں قیامت برحق ہے ملائکہ برحق ہیں اور وہ ساری غیب کی خبریں جو خدا تعالیٰ دیتا ہے وہ سب برحق ہیں تو یہ اتنی شدید دل آزاری کی باتیں ہیں کہ مسلمانوں سے اس کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے زیادہ دکھ کسی قوم کو

وقفِ جدید کا دروازہ خدا تعالیٰ کی رحمتوں کے دروازوں میں سے ایک ہے (سیکرٹری وقفِ جدید)

اور کون دے سکتا ہے کہ جن کو وہ سچا سمجھیں دوسرے کہیں ہاں تم ٹھیک کہتے ہو ہو سکتا ہے بھلا اس سے بڑا دکھ ۔ اس لئے سارے پیمانے بدل گئے ہیں عقل کے اور ایمان کے گفتگو کے انداز کے اور تہذیب کے انسانیت کے اور شرافت کے کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ ایسی صورت میں خلیفۃ المسیح پاکستان میں رہے جب تک وہ حالات تبدیل نہیں ہوتے اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان میں رہے اور کوئی کلام نہ کرے جماعت احمدیہ سے اور صرف پاکستان محروم نہ رہے ساری دنیا کی ساری جماعتیں خلافت سے محروم رہ جاتی یہ نتیجہ نکلتا ہے اور میں اس نتیجے کو کسی قیمت پر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جو خدا نے مری ذمہ داریاں ڈالی ہیں ان کے نتیجے میں قربانی دینے کے لئے تو میں آمادہ ہوں لیکن ایسے ملک میں قربانی دینا جس کے بعد اگلا خلیفہ زیادہ مصیبت میں گرفتار ہو بلکہ خلافت کی INSTITUTION پر حملے کرنے کے مواقع پیدا ہو جائیں اس کو قربانی نہیں کہا جاتا اس کو تو جہالت کہا جاتا ہے۔ اس لئے زندہ اور صاحب عقل اور صاحب فراست قومیں جو ہیں وہ صرف یہ نہیں دیکھا کرتیں کہ قربانی دینی ہے یہ دیکھتی ہیں کہ قربانی دینی ہے جس میں سے ایک ذرہ ایک قطرہ بھی خون کا ضائع نہ ہو۔ زیادہ سے زیادہ فائدہ اس قربانی سے حاصل کیا جائے اس لئے میں نے جماعت کو روکا ہے۔ کوئی اندھی قربانی مجھے نہیں چاہئیے وقت آئے گا اور جب خدا کی تقدیر ہم سے یہ مطالبہ کرے گی کہ ہر احمدی شہید ہو جائے تو خدا کی قسم ہمارے بوڑھے بھی شہید ہوں گے ہمارے بچے بھی شہید ہوں گے ہماری عورتیں بھی شہید ہوں گی اور کوئی پیچھے نہیں ہٹے گا یعنی کوئی سچا احمدی پیچھے نہیں ہٹے گا اور جو جذبے بڑھ رہے ہیں جس طرح یہ بلندی کی طرف جا رہے ہیں میں پورا یقین رکھتا ہوں کہ بھی ہوگا الا ماشاء اللہ کمزور بھی ہوتے ہیں بیچ میں لیکن دنیا کو معلوم نہیں کہ مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کیا معجزہ پیدا کر چکے ہیں۔ یہ جماعت ہے معجزہ سب سے بڑا۔ اس سے بڑا کوئی معجزہ کبھی کسی نبی نے نہیں دکھایا کہ خدا کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے جماعت تیار کر جاتے ہیں۔ تو میں تو حاضر تھا اور شروع میں میرے دل میں بھی جذبے پیدا ہوئے اور میں نے اللہ سے عرض کی کہ اے خدا! تو گواہ ہے اگر پھانسی کا پھندا میرے لئے مقرر ہے تو میں خدا کی قسم اس کو چوم کر پھانسی پر چڑھوں گا اگر قتل کے ٹارچر کے لئے ذرائع میرے لئے مقدر ہیں تیری تقدیر میں تو خدا تو گواہ ہے کہ میں ایک ذرے کے لئے بھی پیچھے نہیں ہٹوں گا اور ایسی مثال چھوڑ کر جاؤں گا جماعت کے لئے کہ اس جماعت کا ذرہ ذرہ پھر پیروی کرے گا ان رستوں کی اور ان پر چل کر تیرے لئے جانیں فدا کرے گا۔ لیکن اس کے نتیجے میں آگے کیا حاصل ہو گا۔ جب اس پر میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ پاکستان میں خلیفۃ المسیح کی جان کی قربانی ان حالات میں پیش کرنا نہایت ہی خطرناک غلطی ہے اس وجہ سے کہ مرکز وہاں ہے اس وجہ سے کہ خلافت کی INSTITUTION وہاں موجود ہے اور ارادے بہت زیادہ بد ہیں ان سے جو آپ اس وقت معلوم کر رہے ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے بعض حالات کی خبر دی ہوئی تھی تب پہلے سے بعض خوابوں کے ذریعے نور فراست کے ذریعے اور جلسہ سالانہ کا جو پہلا خطبہ تھا افتتاحی خطاب اس کو آپ دوبارہ غور سے پڑھیں اس میں میں سب کچھ کہہ گیا تھا کہ کیا ہونے والا ہے ایک چیز بھی مجھ سے پوشیدہ نہیں تھی اس لئے بڑے کرب میں دعائیں کرتے ہوئے میں نے وقت گذارے کہ جو کچھ تو نے مجھے بتایا ہوا ہے میں اس کے لئے جماعت کو تیار کر دوں اور میری واپسی ایسی حالت میں نہ ہو کہ تو یہ کہے کہ میں نے تجھے جو کچھ بتایا تھا تو نے جماعت کو کیوں آگاہ نہیں کیا۔ کیوں تو نے جماعت کو ان قربانیوں کے لئے تیار نہیں کیا اور ذمہ داریوں سے آگاہ نہیں کیا۔ اس لئے بڑے فکر کے ساتھ بڑی حکمت کے ساتھ جہاں تک اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی قرآن کریم کی مثالیں بیان کر کر کے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ جو رستہ اختیار کیا ہے

"یاد رکھو! دنیا کی تکلیفوں سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ انسان متقی ہو جائے۔ بہت نادان ہے وہ شخص جو فروع کی طرف دوڑتا ہے اور اصول کو ترک کر دیتا ہے۔"

(حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

یہ رستہ قرآن کریم نے کھول کر بیان کیا ہوا ہے۔ آپ کے سامنے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ۔ نوح علیہ السلام کے زمانے سے لیکر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جو تاریخ UNFOLD کر دی ہے قرآن کریم نے اس کا تو خلاصہ یہ ہے کہ یہ وہ رستہ ہے جہاں موت کے رستے میں زندگی بیٹھا کرتی ہے اگر تم زندگی کے خواہاں ہو تو موت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ یہاں گلزار بھی ملتے ہیں لیکن آگ کی جہنم میں پھینکے جاتے ہیں لوگ پھر وہاں سے گلزار بن کر نکلا کرتے ہیں۔ ایک ایک مثال دے کر اور ایک نبی کے بعد اس کے ساتھ کیا حالات گزرے اللہ تعالیٰ نے حیرت انگیز طور پر ساری انسانی تاریخ کو UNFOLD کر رہا ہے یوں لگتا ہے ایک فلم چل رہی ہے ایک پہلو بھی باقی نہیں چھوڑا جس کے احتمالات ہو سکتے تھے تا کہ بعد میں آنے والے یہ نہ کہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام کہ اے خدا اس بارے میں تو نے متنبہ نہیں کیا مالہ ھذہ الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا سواء اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے عجیب کتاب ہے یہ کلام الہی کہ نہ کوئی چھوٹی چیز چھوڑتی ہے اور نہ کوئی بڑی چیز۔ ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے اس میں۔ اور گھیر لیا ہے اور شمار کر لیا ہے تو جہاں تک حالات کا تقاضا ہے۔ کوئی چیز میرے لئے تعجب کی بات نہیں ہے۔ مجھے علم تھا کہ کس رستے پر قوم چل پڑی ہے اور مجھے علم تھا کہ جب تک اس رستے پر یہ آخر تک نہیں پہنچتے وہ قربانی کے تقاضے پورے نہیں ہوں گے جو خدا کے نزدیک ہمیں دینی ہیں بہر حال ۔ اور وہ آخری انقلاب نہیں آئے گا جس کے لئے بہت دیر ہو گئی ہے۔ ہمیں انتظار کرتے ہوئے۔ اس لئے وہ ٹھنڈی ٹھنڈی باتیں وہ آرام دہ زندگی وہ مدا وہ کچھ دنیا کچھ دین یہ قصے تو قوموں میں انقلاب برپا نہیں کیا کرتے اس کے لئے تو ایک COMMITTED ایک ایسی قوم کی ضرورت ہوا کرتی ہے جس کے وجود کا ذرہ ذرہ خدا تعالیٰ کے لئے تسخیر ہو چکا ہو۔ اس کے اندر یہ طاقت نہ ہو کہ وہ اس سے انحراف کر سکے اس تشخیص سے باہر جا سکے ۔ تب پھر وہ واقعات رونما ہوتے ہیں جن کو دنیا معجزہ کہتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ان حالات کی بڑے کھل کر خبر دی اور ساتھ بعض نصیحتیں فرمائیں اور الحمد اللہ کہ جب وہ میں نے پڑھیں چند دن پہلے تو ہوا دل بڑے اطمینان سے بھر گیا بڑا ہی خدا کے تشکر سے بڑھ گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو جو ھدایات فرمائیں تھیں ایسے موقع پر تم نے کرنی ہیں وہی ھدایات میں کرتا رہا اور سرمو بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی منشا سے میں نے انحراف نہیں کیا ورنہ میرے پر ایک عذاب آ جاتا روحانی طور پر تکلیف کا کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام خدا کی راہنمائی کے مطابق یہ توقع رکھ رہے تھے اور میں اپنی بد قسمتی کی وجہ سے اس سے ہٹ کر یہ ہدایت دے بیٹھا تو بڑا ہی اطمینان بخش ہے وہ میں بجھوا رہا ہوں۔ انشاء اللہ الفضل میں بھی شائع ہو جائے گا اگر الفضل پر اب تک ہاتھ نہ ڈال دیا گیا ہو۔ بہر حال یہ وہ حالات ہیں جن کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ پاکستان پر ایک ایسا ابتلاء آیا ہے اور ساری دنیا کی جماعتوں پر آیا ہے اس کے ساتھ کہ مذہبی تاریخ میں بہت کم ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ اتنا خوفناک اتنا تفصیل کے ساتھ کسی قوم کو ٹارچر کیا جائے کہ ہم زندہ ہیں اللہ تعالیٰ کی محبت اور رسول کی محبت اور قرآن کی محبت کے لئے اگر ہمیں کہا جائے کہ تم نے تلاوت نہیں کرنی دل آزاری ہوتی ہے خدا کا نام نہیں لینا تو کلمہ توحید نہیں پڑھنا مسلمان نہیں کہنا اس زندگی کا کیا فائدہ ہے۔ اس لئے کسی ایک احمدی نے بہت پیاری بات مجھ سے کہی اس نے کہا حضور اس وقت یہ سوال نہیں ہے کہ موت مسئلہ ہے۔ موت کوئی مسئلہ نہیں ہے ہمارے لئے زندگی مسئلہ بن گئی ہے۔ ان حالات میں زندہ کیسے رہیں گے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کا اظہار ہمارے لئے جرم ہو گا۔ یہ تو نہیں ہم کر سکتے۔ کوئی حد ہوتی ہے کسی صبر کی آزمائش کی بھی بعض باتوں میں ہم نہیں کر سکتے یہ ہماری طاقت میں نہیں ہے یہ بات اس لئے موت کوئی مسئلہ نہیں ہے اب جماعت احمدیہ کے لئے کہ زندگی کس طرح گذارنی ہے یہ مسئلہ ، تو وہ جو

"ہمّت پیدا کرو اور اپنا معیار بلند کرو اور اپنے عزائم کو بلند کرو اور پختہ کرو کہ ہم نے ہر صورت سے برائی کا مقابلہ کر کے نہ صرف یہ کہ اس کو اپنے اندر نہیں داخل ہونے دینا بلکہ اس کو غیروں سے بھی نکالنا ہے۔"

(حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

مسئلہ ہے بنیادی اس کے متعلق ہم نے غور کرنا ہے فکر کرنا ہے اور ساری دنیا کی جماعتوں نے مل کر ایک آواز کے ساتھ اٹھنا ہے ۔ ایک آواز کے ساتھ بیٹھنا ہے ایک بدن کی طرح دکھ محسوس کرنا ہے ہر جسم کے ذرے کا دکھ اور ایک بدن کی طرح منظم رہنا ہے اور توحید کی لڑیوں میں پروئے جانا ہے۔ یہ پیغام میں لے کر آپ کے لئے آیا ہوں اور اگر آپ اپنے عہد بیعت میں سچے ہیں تو لازماً یہی آپ کو کرنا ہو گا ورنہ آپ کا اسلام سے کوئی تعلق ہے اور نہ میرے ساتھ کوئی تعلق ہے نہ خدا سے کوئی تعلق۔ یہ وقت ایسا ہے کہ مجھے ہر احمدی کی خدمت کی ضرورت ہے اور اب یہ نہیں ہے کہ اتنا دو یا فلاں دو یا یہ کرو یا وہ کرو اب تو یہ ہے کہ جتنا میں کہوں گا آپ کو وہ کر دینا پڑے گا۔ جتنا میں کہوں گا اتنا کرنا پڑے گا۔ جتنا میں کہوں گا وہ نہیں کرنا وہ نہیں کرنا ہو گا۔ اظہار آپ کے جذبات آپ کے ساری چیزیں اس بیعت کے ذریعے سے بک چکی ہیں آپ کی رہی نہیں ہیں۔ چنانچہ ایک یہ بھی معنی ہے اس کا۔ جب قرآن کریم فرماتا ہے۔ ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ اللہ تعالیٰ نے بیعت کے سودے کے ذریعے مومنوں سے ان کی جانیں بھی اور ان کے اموال بھی خرید لئے ہیں بان لھم الجنۃ کہ وہ ان کو اس کے بدلے جنت عطا فرمائے گا۔ اس لئے جب آپ بیچ بیٹھے ہوں وہ چیز تو پھر تو نہیں کہا کرتے کہ نہیں اس کو اس طرح نہ کرنا اور اس طرح نہ کرنا۔ ان اتنا لو اور اتنا نہ لو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تو آپ کا سب کچھ

آج کے بعد conciously بالارادہ طور پر خدا کے لئے وقف ہو چکا ہے۔ اور کسی چیز میں بھی آپ نے کوئی کمی نہیں رہنے دینی۔ اتنی عظیم الشان عالمی جدوجہد کی ضرورت ہے کہ جو انقلاب سینکڑوں سال دور بھی کہانی نظر آتا ہو وہ سالوں میں رونما ہونا شروع ہو جائے۔ ہر احمدی اپنی جگہ ایک مبلغ ہے وقف ہے۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ اپنے ذریعہ آمد بھی اس نے خود پیدا کرنے ہیں اور سب کچھ خدا کی راہ میں جھونک دینا ہے اپنی ساری طاقتیں اپنا سارا علم اپنا فن اپنے طرز گفتگو اپنی دوستیاں اپنے اثرات اور تعلقات کے سارے دائرے اپنی سوچیں اپنی راتوں کی نیندیں ، اپنا اٹھنا ، اپنا بیٹھنا سب کچھ اپنے اللہ کے حضور پیش کر دیں اور اس داؤ پر لگا دیں۔ جب تک پاکستانی احمدی کے دکھ دور نہیں ہوتے اور جب تک پاکستانی قوم کو یہ شعور نہیں آتا کہ ہم خدا کے عذاب کی طرف بڑھ رہے ہیں اور اس تقدیر کو ہم بدل نہیں دیتے اپنی دعاؤں اور کوششوں کے ذریعے اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھنا آپ نے یہ میرا آپ کو پیغام ہے۔ اور کوئی ایسا ردعمل نہیں دکھانا جو دنیاوی ہیں۔ ایمبسیز میں جا کر protest کرنا کیسی لغو بات ہے۔ کوئی بھی ان کے معنی نہیں۔ نہ ایمبیسیز میں اتنی طاقت ہوا کرتی ہے کہ وہ ان پالیسیز کو دل دیں جو مرکز میں طے ہوتی ہیں اور ان پر impose کی جاتی ہیں۔ یہ صرف پاکستان کا سوال نہیں دنیا کی ہر ایمبیسی کی بات میں کر رہا ہوں۔ ان بے چاروں کے اندر تو کوئی بھی طاقت نہیں ہوتی۔ وہ تو بے چارے رحم و کرم پر بیٹھے ہوتے ہیں مرکز کی ۔ اور ان کی Goodwill پر۔ وہ جب چاہیں ان کو اتار کر پھینک دیں اور جب چاہیں قبول کر لیں۔ اور دنیا کی اغراض پورے کر رہے ہوتے

ہیں بے چارے بعض Devouted لوگ اپنے ملک کی اغراض پوری کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن مرکزی امور میں ان کا کوئی عمل دخل نہیں ہوا کرتا۔ سیاہ و سفید کے وہ مالک نہیں ہوتے۔ اس لئے صرف ان معنوں میں ان کو استعمال کیا جا سکتا ہے کہ مستقل طور پر ساری دنیا سے ایک پریشر create ہوتا رہے اور بھولنے نہ دیا جائے کہ وہ کیا کر بیٹھے ہیں یا کیا کر رہے ہیں تو یہ سسٹم طے کرنا پڑے گا۔ تو دنیاوی طریق protest کا یا نعوذ باللہ کسی قسم کا کوئی حملہ کرنا ہرگز سوال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ جھوٹے خطرے جو آپ سے پیدا ہو رہے ہیں ان کو دور کرنے کے اقدامات کرنے ہیں۔ بتائیں اپنے پاکستانی دوستوں کو اور ایمبیسیز کے سٹاف کو اور سب کو کہ آپ کی طرف سے ان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اگر مسلمان نہ ہوتے تو اتنا عظیم الشان خطرہ پیدا ہو جاتا کہ ملک پھونکا

جا سکتا تھا اس کے نتیجے میں صرف خدا نے جو ہمیں مسلمان کہا ہے اسی کی ضمانت ہے کہ ان کو ہم سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ مسلم وہ ہے جو امن دیتا ہے اور کوئی خطرہ پیدا نہیں کرتا۔ اس لئے یہ یقین دہانی کروانی ہے اور اس پر عمل کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ ہے ایک امن پسند جماعت ہے۔ اور رسول کے احکام کے تابع ہے۔ تو امن پسند جماعت ان معنوں میں کہ قرآن ہماری تقدیر determine کر رہا ہے۔ ہماری زندگی کی ہر راہ ہر روش قرآن سے معین ہو رہی ہے اور قرآن کریم نے جو رد عمل بتائے ہوئے ہیں ان سے باہر ہو کر ہم کیسے رد عمل کا اظہار کر سکتے ہیں۔

یہ جو modern رد عمل ہے political یہ تو قرآن کریم نے اشارۃً بھی ذکر نہیں کئے۔ بڑے بڑے دردناک حالات بیان فرماتا ہے اور رد عمل انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ کہ اے قوم تم ظلم میں حد کر چکے ہو۔ میرا رد عمل پوچھتے ہو تو نبی کہتے ہیں انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ میرا رد عمل تو یہ ہے کہ اپنے سارے غم سارے دکھ اپنے رب کے حضور راتوں کو اٹھ اٹھ کر بیان کیا کروں گا پھر وہ جانے کہ وہ مالک ہے ہم داروغہ نہیں ہیں ہم زبردستی کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ ہماری حیثیت ہی کوئی نہیں ہے۔ لیکن جس مالک کو اطلاع ہو جائے اور اس کے ہو چکے ہوں آپ جب کامل طور پر اس کے لئے اپنی رضا کو ترک کر چکے ہوں اور اس کی رضا کو اوڑھ چکے ہوں اپنے اوپر تو پھر مالک کے سامیں کس کی پیش جا سکتی ہے بھلا۔

خالق کے آگے خلق کی کچھ بیش جاتی ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ تو اس رد عمل کو قائم رکھنا ہے آپ نے اور اس رد عمل کو زندہ رکھنا ہے۔ اور اس کی حفاظت کرنی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم نے متفرق جگہ روشنیاں ڈالی ہیں تدبیر کے متعلق۔ الٰہی تدبیر کیا ہوا کرتی ہیانبیای کس طرح تدبیر کیا کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بنیادی رد عمل کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے خدا کے منشاء کے مطابق مختلف crises میں مختلف خطرات کے وقت کس طرح قوم کی راہنمائی کی یہ مشعل راہ ہیں ہمارے لئے۔ ان کے اوپر غور کرتے ہوئے انشاء اللہ تعالیٰ میں آپ کو ہدایات وقتاً فوقتاً دوں گا۔ کچھ کمیٹیاں بٹھاؤں گا جو میری مدد کریں گی۔ انشاء اللہ۔ اور کچھ راہنمائی وقتاً فوقتاً ہوتی رہے گی۔ کچھ نہیں بھی ہو گی جن کے ساتھ تعلق نہیں۔ ان کے اوپر کوئی بوجھ ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ اگر دس آدمیوں کا کام ہے تو دس آدمیوں کو بتایا جائے گا۔ اگرم سو کا ہے تو سو کو بتایا جائے گا۔ تو جتنا ہو گا اتنا آپ ہی آپ ظاہر ہوتا چلا جائے گا۔ اللہ کے فضل کے ساا۔ تو ذہنی طور پر آمادگی ہوئی چاہئے اور انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی پوری راہنمائی ہو گی۔

اب یہ جو صورت حال ہے اس کی روشنی میں میں آپ پر یہ بات بھی واضح کر دوں کہ سردست میرا ارادہ تین ماہ کا دورہ ہے اور ہو سکتا ہے کچھ زیادہ ہو جائے اور چار ماہ تک بھی ممکن ہے مجھے بیرونی دورہ کرنا پڑے۔ کیونکہ افریکہ بھی جانا ہے۔ میں نے یہ دیکھا کہ پیغامات کے ذریعے وہ بات نہیں بنتی جب تک خود انسان تفصیل سے مل کر نہ سمجھائے اس وقت وہ کیفیت نہیں پیدا ہوتی جو انسان پیدا کرنی چاہتا ہے۔

اب میں نے اسی لئے ہالینڈ کا پروگرام بدل لیا اور کہا کہ بجائے next فلائٹ لینے کے بڑا اچھا موقعہ ہے ان سے ملنے کا موقع مل جائے گا۔ ہم دو گھنٹے تین گھنٹے وہیں ٹھہریں گے اور جماعت سے مل لیں گے۔ تو ملنے کے بعد میں محسوس کیا کہ یہ بہت ہی صحیح قدم تھا اور اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کے مطابق تھا ورنہ ان کی بہت عجیب حالت تھی۔ بڑے دکھے ہوئے بھی تھے اور حیران تھے کہ کیا کریں گے کیا کرنا ہے۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ خرچ کرنا پڑے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک دو اور باتیں سمجھانی چاہتا ہوں کہ جب تک میں آپ کے پاس ٹھہرا ہوا ہوں جب تک خدا کے ہاں مقدر رہے کہ میں آپ لوگوں

میں ٹھہروں اور کم سے کم ایک مہینہ تو میرا پروگرام ہے بلکہ ممکن ہے کہ مجھے رمضان بھی یہیں گذارنا پڑے یعنی باہر جا کر پھر واپس آنا پڑے تو اس وقت تک ایک مجھ سے مہربانی فرمائیں۔ آپ کی خواہش ہے مجھ سے ملیں وقت لیں اور اکٹھے مل کر بیٹھیں اور جو اللہ تعالیٰ کی خاطر محض للہ ہماری محبت ہے اس کی تشفی کریں۔ لیکن میری آپ سے کم خواہش نہیں ہے آپ سوچ تو نہیں سکتے جس طرح مجھے لطف آتا ہے احمدیوں کے چہرے پر نظر ڈالنے سے ایسا سرور روحانی ملتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ تم تھکتے کیوں ہو۔ اتنا کیوں کام کرتے ہو میں ان کو کہا کرتا ہوں کہ تمھیں پتہ ہیں نہیں ہے کہ یہ تھکاوٹ ہے یا کچھ اور چیز ہے۔ میری زندگی کی لذت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی جماعت کے ساتھ محبت کروں اور ان کے لئے اپنے آپ کو وقف رکھوں تو جو سرور ہے وہ تمھیں تھکاوٹ لگ رہی ہے لیکن اس وقت مجبوری ہے اس وقت مجھے تنہائی چاہئے اور کلیتاً بے فکری کے ساتھ میں اپنے ذہن کی تمام تر طاقتوں کو جماعت احمدیہ اور اسلام کے حق میں منصوبہ بندی پر لگانا چاہتا ہوں اور اس کے لئے مجھے کچھ امن چاہئے۔ اس لئے اس وقت میرے وقت پر demands نہ کریں۔ مجھے ضرورت ہو گی آپ کی۔ جس وقت جس کی ضرورت ہو گی میں خود بلاؤں گا اور وقت دوں گا۔ اور جہاں تک ممکن ہے مجھے آزاد چھوڑ دیں اس معاملہ میں۔ پھر اللہ تعالیٰ حالات بدلتا ہے۔ مل کے پھر بیٹھیں گے انشاء اللہ تعالیٰ اور بار بار بیٹھیں گے۔ ہو سکتا ہے اسی دورے میں بھی اللہ وقت دے تو اور زیادہ مل کر بیٹھ جائیں لیکن میرے پر صرف اتنی مہاربانی کریں کہ میں اس لئے سمجھا رہا ہوں کہ میں دل شکنی نہیں چاہتا کسی کی۔ کیونکہ میرے لئے یہ بڑا مشکل ہے کہ اگر مجھے کوئی کہہ دے کہ میں اس کا انکار کروں۔ میری طبیعت ہی نہیں اس طرح کی کہ میں برداشت ہی نہیں کر سکتا اس معاملہ میں کسی کو دکھ دوں۔ کہ وہ کہے گا کہ جی میں نے بڑی محبت سے کہا تھا پھر وقت نہیں دیا اس لئے مجھے کیوں اس آزمائش میں ڈالتے ہیں۔ خواہش کا اظہار ہی نہ کریں آپ تھوڑی سی قربانی کریں جو میں بھی قربانی کر رہا ہوں تو دونوں طرف سے ہونی چاہئے۔ اس کے علاوہ ایک دو باتیں میں آپ کو اور سمجھانی چاہتا ہوں آج تفصیل سے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یہ وقت نہیں ہے ہر بات کہنے کا ہر بات کرنے کا۔ ہمارے اندر خدا کے فضل سے شر کوئی نہیں ہے لیکن شر نہ ہرنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم مل کر سر جوڑ کر باتیں نہیں کریں گے اور بعض باتیں اسلامی مفاد کے اندر اور جماعتی مفاد کے اندر ہم مخفی نہیں رکھیں گے۔ یہ تو سنت انبیاء کے خلاف بات ہے کہ چونکہ شر کوئی نہیں ہے اس لئے ساری باتیں کھولی جاؤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قدر بعض معاملات میں اخفاء کی تاکید فرمائی ہے کہ اس سے زیادہ کبھی کسی نبی نے اخفای کی تعلیم نہیں دی۔ اب سارے انبیاء کے اخفا کے موضوع پر ارشادات اکٹھے کر کے دیکھ لیں۔ اکثر میں ے گا ہی کوئی نہیں۔ اور جہاں ملے گا نہایت معمولی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف مواقع پر اخفاء کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اور قرآن کریم نے بعض مسلمانوں کے ذہن میں پیدا ہونے والے توہمات کو دور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نجویٰ برا نہیں ہے فی ذاتہ مخفی میٹنگز تو بری نہیں ہیں۔ یہ ہے کہ مخفی میٹنگز ہوتی کس لئے ہیں۔ اگر شرارت اور خباثت کی نیت سے دس آدمی مخفی باتیں کرتے ہیں تو وہ لعنی چیز ہے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اور اگر رضائے باری تعالیٰ کے لئے اللہ کے لئے پلاننگ کر کے اخفاء کی باتیں کر رہے ہیں کہ اس طرح کی سکیم ہونی چاہئے اور یہ ہوچا چاہئے تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور پیار کی نظر اس پر پڑا کرتی ہے اس لئے جب آپ سے مشورہ کیا جائے تو آپ نے اس کو مخفی بھی رکھنا ہو گا۔ اور جس سے جو بات کی جاتی ہے اس نے آگے

ہنیں کرنی۔ سوائے اس کے کہا جائے کہ یہ بات تم نے آگے کرنی ہے۔ اب میں آپ کو بعض ایک دو باتیں بڑی دلچسپ بتانا چاہتا ہوں ۔ رویا اور کشوف کے ساتھ جن کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض خبریں دی یقیناً پہلے سے ایک تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رویاء ہے جس کے متعلق میں انشاء اللہ بعد میں کسی وقت بتاؤں گا جس کو جماعت نے شروع میں غلط سمجھ کر خلفت کے آغاز میں اور معنی دینے شروع کر دیئے تھے۔ جو بلکل اس کے منشاء کے خلاف تھے۔ وہ پھر میں نے بڑے زور لگا کر نظارتوں کو خدام الاحمدیہ کو پرائیویٹ ان لوگوں کو جن کے متعلق علم آتا تھا آں کو بعض رکھا کہ ہرگز اس بارے میں کوئی کلمہ ہنیں کہنا جس کے بارہ میں تمہیں کوئی علم ہنیں ہے تم مجاز ہی ہنیں ہو اس کے بارے میں رائے کے اظہار کے لئے۔ تو مجھے معلوم ہے اس کا مطلب کیا ہے لیکن یہ جب وقت آئے گا میں اس وقت بتاؤں گا۔ لیکن علاوہ ازیں بھی کثرت سے جماعت نے خوابیں لکھ کر مجھے بتانا شروع کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایات آرہی ہیں اور جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایات آتی ہیں ان میں ایک عجیب اندرونی نظام ہے زبان کا۔ اکثر خوابیں دیکھنے والے سمجھتے ہی ہنیں تھے کہ ہم نے کیا دیکھ لیا ہے۔ لیکن وہ میرے لئے پیغام ہوتا تھا۔ اور پھر اس کی تائید میں ایک دوسری جگہ ایک آدمی ویسی ہی خواب دیکھ رہا ہے اور اس مضمون کو تقویت مل رہی ہے اور ایسی خوابیں جو پہلے کبھی کسی جماعت نے ہنیں دیکھی تھیں وہ اتفاقی حادثات ہنیں ہیں مثلاً جب سے مجھے دو سال سے زیادہ عرصہ تو ہنیں گزرا ابھی خلفت پر مگر اس دو سال کے عرصہ کے اندر کبھی ایک دفعہ بھی کبھی کسی نے یہ خواب ہنیں دیکھی کہ گلاب کے پھول کے سات میرا کوئی تعلق اس طرح ہے ایک واقعہ بھی ایک بھی خواب کسی نے ہنیں دیکھی۔ اور ایک ہی دن میں ایک بیرونی دنیا سے اور ایک پاکستان سے دو خط ملتے ہیں۔ اور دونوں کہتے ہیں کہ خطرات ہیں۔ اور اچانک ہم دیکھتے ہیں کہ دور دراز تک خدا تعالیٰ نے ایک پھیلا ہوا گلابوں کے پھولوں کا ایک میدان عطا فرما دیا ہے۔ اور اس مضمون کی خوابیں دونوں جگہ سے اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ اور یہ جوڑے مسلسل چلتے چلے آرہے تھے۔ ایسے معنے خیز تھے کہ خدا تعالیٰ ایک کی تائید میں دوسرے کو خواب دکھاتا تھا یہ مجھے بتانے کے لئے کہ اس وہم میں نے کہیں پڑنا کہ اتفاقی حادثات ہیں۔ یہ تقدیر کے مطابق یور اله کی تقدیر کے تابع کہ بعض دفعہ مومن کو خدا خود بتاتا ہے۔ بعض دفعہ اس کے لئے دوسروں کو بتاتا ہے۔ مثلاً انبیاء کے زمانے میں بھی حضرت لوطؑ کو بعض انسانی فرشتے تھے وہ جن کے ذریعے خبر دی گئی تھی اور اسی طرح بہت سے مضامین میں بڑا لمبا وسیع مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو براہ راست بھی خبریں دیتا ہے لیکن تائید کے لئے تویت ایمانی کے لئے اور دل کی ڈھارس کے لئے جماعت کو خبریں بتاتا ہے تاکہ اس کو مزید یقین ہوتا چلا جائے کہ الہیٰ پیغام ہے۔ تو اس طرح کے بہت سے پیغامات ملنے شروع ہوئے جن سے خطرات کا بھی علم ہوتا تھا اور پھر اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا بھی علم ہوتا تھا اور غیر معمولی نصرت کا بھی اور فکر خطرات ایسے بھی تھے بیچ میں کہ جس سے مطلب یہ نکلتا تھا کہ اگر بعض ظالم اپنے ظلم سے ہنیں رکیں گے تو وہ خدا کی تدبیر غضب کے ساتھ نازل ہو گی ان پر۔ اس لئے ان باتوں کی روشنی میں پہلی بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ قوم کے لئے دعا کریں بڑے درد کے ساتا۔ ہمیں وہ انتقام ہنیں چاہئیے جو انتقام قوموں کو

دُعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کریں

ارشاد سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ

ہلاک کر دیا کرتے ہیں۔ ہمیں وہ انتقام چاہیئے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگا تھا اور جس کے نتیجے میں ایک بالکل اور تقدیر ظاہر گئی ہے۔ اور اس تقدیر کا خلاصہ قرآن کریم ان آیات میں بیان فرماتا ہے جن کی آپ کے سامنے تلاوت بھی کی گئی۔ قرآن کریم فرماتا ہے

فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم

اور جب تم وہ انقلاب مانگو گے وہ انتقام مانگو گے جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقام تھا تو پھر تم یہ حیرت انگیز بات دیکھو گے کہ تمھارے خون کے پیاسے تم پر خون نچھاور کرنے والے دوستوں میں بدلنے لگے گے۔ یہ ہے وہ انتقام جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب قوم سے لیا اور اس انتقام کے نتیجہ میں ایسے عظیم الشان واقعات رونما ہوئے ہیں کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ باہر کی دنیا میں یہ ہو سکتا ہے۔ بہت ساری مثالیں ہیں ایک مثال میں نے ابھی چند دن ہوئے بیان کی تھی کہ ایک صحابیؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد لوگوں نے پوچھا کہ ذرا ہمیں بتائیں تو سہی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ کیسا تھا، حلیہ کیسا تھا، اور عشق کی حالت تھی صحابہؓ کی صحابہ کے بعد بھی تابعین کی بھی اور ان کو مزہ آتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنہوں نے نہیں دیکھا تھا وہ پوچھا کرتے تھے کہ کیسے تھے آپ بتائیں کہ کیسے تھے آپ بتائیں کیسے تھے تو ایک صحابی سے جب پوچھا تو وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے ایک روایت میں یہاں تک آتا ہے کہ وہ پچھاڑ کھا کر گر پڑے اور بے ہوش ہوگئے۔ پھر ہوس آئی پھر پوچھا کہ ہم نے تو یہ کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ کیسا ہے اس میں کون سی دکھ کی بات تھی۔ تو پھر وہ رونے لگے اور روتے روتے بے ہوش ہوگئے۔ اور پھر ان کو ہوش آئی تو جب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ دیکھو مجھ پر دو حالتیں آئی ہیں۔ ایک نفرت کی حالت تھی وہ اتنی شدید تھی کہ جب تک میں مسلمان نہیں ہوا خدا کی قسم نفرت کی وجہ سے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا اپنی نظر کو اجازت نہیں دیتا تھا کہ اس منہ پر نظر پڑے۔ اور پھر دوسری حالت وہ پیدا ہوئی جب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا اور محبت نے ایسا جوش مارا ہے کہ خدا کی قسم شرم و حیا اور وفور محبت کی وجہ سے میری نظر اس چہرے کو دیکھ نہیں سکتی تھی اور آج میں وہ بدقسمت ہوں کہ صحابی تو ہوں لیکن جب لوگ پوچھتے ہیں تو میں نہیں بتا سکتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ کیسا تھا۔ یہ انقلاب ہے یہ وہ انتقام ہے جو محمد رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم سے لیا اور اسی انتقام کا ذکر قرآن کریم فرماتا ہے۔ فاذ الذی بینک و بینت عداوتہ کانہ ولی حمید تم سب خدا کی راہ میں قربانیاں دو۔ بدیوں کو حسن سے تبدیل کرو لیکن جو اس کا میں نے معیار مقرر کر دیا ہے اس سے کم پر راضی نہیں ہوں گا۔ وہ یہ معیار ہے تم نے نفرتوں کو محبت میں بدلنا ہے۔ محبتوں کو نفرت میں نہیں بدلنا۔ اور اس کے ساتھ وارننگ دے دی۔ وما یولقھا الذین صبرو یہ جو عظمت کردار ہے یہ عظیم الشان انعام کہ نفرتوں کو محبت میں بدل رہا ہو یہ صبر والوں کے سوا کسی کو نہیں ملا کرتا۔ صاف پتہ چل گیا کہ ایسے موقع پر دعا کے لئے صبر کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ جب زخم تازہ ہوں جب اپنے بھائیوں کو ذبح کیا جا رہا ہو کند چھری سے۔ جب ظلم میں حد کر دی جا رہی ہو۔ تو دعا نکلتی ہے بھلا دل سے یعنی دل پھڑکتا ہے اس وقت

دلوں میں روحانی امراض کی دوری کیلئے بھی تڑپ پیدا کریں

بد دعاؤں کے لئے اس وقت صبر کی مضبوط تنابوں میں آن کو کس کر صبر کی رسیوں میں باندھ کر دل کو مجبور کر دیا جائے کہ دعائیں دینی ہیں وہ دعا ہے جو نامقبول نہیں ہو سکتی۔ یعنی دل تڑپ رہا ہے بد دعا کے لئے لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ اور عشق مجبور کر رہے ہیں کہ میں نے اس ظلم کے نتیجہ میں دعا ہی دینی ہے قوم کو ایسی دعا ہو ہی نہیں سکتی نا مقبول کوئی دنیا کی تقدیر بدل جائے تو بدل جائے یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ دعا خدا رد فرما دے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعائیں ہی تھیں جنہوں نے معجزہ دکھایا۔ تو آپ نے یہ رد عمل دکھانا ہے۔ جہاں تک مبشر خوابوں کا تعلق ہے۔ حیرت انگیز زبان میں جس کو کوئی انسان نہ سوچ سکتا تھا نہ ایجاد کر سکتا تھا نہ کوئی فرائید ان فلاسفی نہ کوئی اور فلاسفی آس کی explanation دے سکتی ہے کہ یہ خواب کیوں کسی کو آئے۔ وہ خواب آئی اور اس میں بھی بعض مضمونوں کا جوڑا بنا کر خدا نے اس طرح باندھ دیا کہ جس کو خواب سنائی جائے وہ فوراً سمجھ جائے کہ یہ الہیٰ پیغام ہے۔ میں دو خوابیں آپ کو سناتا ہوں تا کہ آپ کو یہ معلوم ہو کہ اس میں کوئی مایوسی کا سوال نہیں ہے اگر ہم روتے ہیں تو مویوسی یا کم ہمتی کی وجہ سے نہیں مجھے تو اللہ تعالیٰ نے ایسا عزم عطا فرمایا ہے کہ ساری دنیا کی طاقتیں اگر احمدیت کے معاملے میں مجھ سے ٹکرائیں گی تو مجھے یقین ہے کہ وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ مجھے ہمت اور عزم عطا فرمائے گا۔ پیچھے ہٹنے والا انسان نہیں ہوں میں۔ میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا غلام ہوں۔ وہ اور لوگ ہیں جن کے خمیر میں بزدلی ہو گی۔ میرے خمیر میں بزدلی نہیں ہے۔ اس لئے میں بزدلی کی وجہ سے آپ کو باز نہیں رکھ رہا۔ میں نہایت اعلیٰ اخلاق کی ایک ایسی اعلیٰ تعلیم کے نتیجے میں آپ کو غلط کاموں سے بعض رکھ رہا ہوں جن کا کوئی بھی بزدلی سے تعلق نہیں۔ بلکہ بزدل لوگوں کو تو وہ توفیق ہی نہیں ملا کرتی۔ انتقام کے عام رستوں کو چھوڑ کر ایسے رستے اختیار کر لینا جو اور مزید دکھ پیدا کر رہے ہوں یہ بزدلوں کو بھلا توفیق مل سکتی ہے۔ اس کے لئے تو عزم چاہئے اس کے لئے تو جرأت چاہئے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے ومایولقھاذو حظ عظیم صبر بھی تو حظ عظیم والے سیکھو۔ یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ یہ نصیب محمد مجطفیٰ ہی کا تھا کہ کن حالات میں انہوں نے صبر کر کے دکھایا تھا۔ تو اس لئے تم ان کی پیروی کرنا کبھی ٹھوکر نہیں کھاؤ گے اور کبھی غلطی نہیں کرو گے۔ تو خوابیں میں آپ کو بتا رہا ہوں مزید حوصلہ افزائی کے لئے اور ہر گز یہ مراد نہیں ہے کہ نعوذ باللہ آپ نے dipress ہونا ہے۔ یہ دکھ ہمیں مزید انگریخت کر رہے ہیں۔ مزید قوت کے لئے چنانچہ پاکستان میں ایک احمدی نے بھی کمزور سے کمزور احمدی نے بھی خوف کا رد عمل نہیں دکھایا جن دنوں میں خوب دندناتے پھر رہے تھے۔ ساری مشنریاں لگی ہوئی تھیں۔ اس بات پر کہ احمدیوں کو قتل کیا جائے تباہ کر دیا جائے گھر جلا دیئے جائیں۔ مسکراتے ہوئے ہمت کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے گلیوں میں پھر رہے تھے کہ جو کرنا ہے کر لو ہمیں ذرا بھی پرواہ نہیں ہے۔ تو خوف نہیں ہے یہ عظمت کردار ہے جو یہ نئی باتیں آپ کو سکھا رہی ہے۔ تو ایک تو میں آپ کو بتاتا ہوں ہمارا ایک کارکن ہیں سلسلہ کہ انہوں نے ایک خواب لکھ چند دن ہوئے ایک دو ہفتے ہوئے انہوں نے دیکھا اس میں بڑا پیغام ہے جماعت کے لئے۔ انہوں نے

فرمان حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام
جوش نفس سے دل دکھانے والے الفاظ استعمال نہ کرو

کہہ رہے ہیں کہ ان کو روکو کھدائی سے اب کنویں کی کھدائی کا مولوی سے بظاہر کیا تعلق ہے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے پیغام دیا تھا اس میں اور وہ کہتے ہیں کہ تم پسینے سے شرابور ہو اور نظر بھی نہیں اٹھاتے اس طرف اور اسی طرح کام کر رہے ہو اور جواب یہ دیتے ہو کہ مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں۔ جو خدا نے میرے سپرد کام کیا ہے میں کرتا چلا جاؤں گا۔ اور میں اپنے نفس کا ذرہ ذرہ اس میں جھونک دوں گا۔ آج تو وقت یہ نہیں رہا کہ ساٹھ فٹ یا پچاس فٹ کھدائی روزانہ کی جائے آج وقت آگیا ہے کہ ہزاروں فٹ روزانہ کھدائی کی جائے اور پھر میں تھوڑا سا رک کر کہتا ہوں کہ نہیں نہیں آج وقت آگیا ہے کہ لاکھوں فٹ کھدائی روزانہ کی جائے اور یہ کہہ کر میں مصروف ہو جاتا ہوں ۔ وہ کہتے ہیں کہ کچھ دیر کے بعد میں اترتا ہوں نیچے یعنی اتنا دور گویا میں چلا گیا ہوں کہ ان سے نظری رابطہ ٹوٹ گیا ہے تو نیچے اترتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ آپ اکیلے نہیں ہیں بلکہ رنگا رنگ کے آدمی مختلف قوموں کے بہت سے اکٹھے ہوئے ہیں اور سارے مل کر کھدائی کرتے چلے جا رہے ہیں۔ یعنی خدا نے اس بات کو بڑھا دیا ہے اور پھیلا دیا ہے اور بہت برکت دی ہے ۔ اور یہاں تک کہ وہ جس طرح Water Table آ جاتی ہے وہ مقام آ جاتا ہے کہ اچانک پانی نکلنے کی بجائے شہد کا چھتہ نکلتا ہے اور اس میں سے شہد گرتا ہے اور ہر قطرہ جو زمین پر گرتا ہے وہ موتی بنتا چلا جا رہا ہے اور اتنے خوبصورت چمکتے ہوئے موتی ہیں کہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھے ۔ اب یہ ساری زبان جو ہے یہ انسان کی بنائی ہوئی تو زبان ہی نہیں ہے۔ یہ پیغامات ہیں کچھ اور ۔ اور پھر میں کھڑے ہو کر ان کو کہتا ہوں کہ دیکھو ابھی بھی ہم نے نہیں رکنا ہم اس مقام تک کھدائی کرتے چلے جائیں گے جس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے خانہ کعبہ کی پہلی اینٹ رکھی تھی۔ عظیم الشان ایک مقصد جماعت کو دیا گیا ہے اس رؤیاء میں اور مراد ہے تبلیغ اسلام۔ آج ساٹھ بیعتوں یا پچاس بیعتوں کا وقت تو نہیں رہا۔ ہزاروں کا ہے بلکہ لاکھوں روزانہ کا وقت آگیا ہے یہاں تک کہ تعمیر بیعت اللہ کے مقاصد پورے ہو جائیں یعنی توحید دنیا میں پھیل جائے اس سے پہلے ہم نے نہیں رکنا۔ دوسرا پیغام ہے کہ تمام بنی نوع انسان کو وحدت جب تک عطا ہم نہیں کر لیتے۔ کیونکہ جب پہلی اینٹ رکھی گئی تھی خانہ کعبہ کی اس وقت وحدت تھی انسانیت میں ایک ۔ اور بعد میں پھر وہ تفریق پیدا ہو گئی تو بڑے عظیم الشان اس میں پیغام ہیں۔ اب وہ کیا چیز ہے جو موتی بنتے ہیں مومن کے لئے ایک شہد دکھایا گیا لیکن اس کی تعریف وہ کیا مراد ہے یہ عجیب بات ہے جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ جوڑے جوڑے آتے ہیں ادھر وہ خواب آئی ادھر حضرت سیدہ مہر آپا نے مجھے ایک خواب دیکھ کر لکھی کہ میں نے عجیب خواب دیکھی ہے کہ قصر خلافت قادیان میں درمیانی کمرے میں تم سجدہ کر رہے ہو اور حالت یہ ہے کہ میں تھک جاتی ہوں اور تم سجدے کے بعد سجدہ کر دیتے ہو سلام ہی نہیں پھیر رہے اٹھ ہی نہیں رہے اور اچانک میں دیکھتی ہوں کہ اس طرح رو رہے ہو سجدے میں کہ چھپڑ بن گیا ہے آنسوؤں کا یوں لگتا ہے کہ ایک دریا بہنے لگ گیا ہے اور اچانک وہ سارے آنسو موتیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور اتنے خوبصورت موتی ہیں چمکتے ہونے کہ اچانک میری نظر پڑتی ہے تو حضرت مصلح موعودؓ کھڑے یہ نظارہ دیکھ رہے ہیں اور میں کہتی ہوں کہ دیکھیں یہ کیا ہو رہا ہے۔ دیکھیں دیکھیں یہ کیا ہو رہا ہے۔ تو وہ آپ کے آنسو ہیں خدا کے حضور جنہوں نے موتی بننا ہے کامیابی کے۔ وہ شہد کیا ہے وہ جماعت احمدیہ کا خون ہے جو خدا کی راہ میں ہلکان ہو رہا ہو گا۔ اور وہ بنی نوع انسان کے لئے شفا بن رہا ہو گا تو یہ کامیابیاں جو ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے مقدر میں ہیں کوئی اس کو بدل نہیں سکتا ، ناممکن ہے۔ اس لئے کامل یقین رکھیں۔ اگر آپ اپنے عہد بیعت کو نبھائیں گے اگر آپ میرے منشاء اور ہدایات سے باہر نہیں جائیں گے اور

کلیتاً جس طرح میں کہوں گا اس طرح خدا کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کریں گے۔ تو جس خدا کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ لازماً آپ کامیاب ہوں گے۔ اور لازماً آپ کامیاب ہوں گے۔ کوئی دنیا کی تقدیر اب اس کامیابی کو بدل نہیں سکتی۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم بہت تیزی سے آگے بڑھیں گے کبھی ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ جماعت احمدیہ کی مخالفت تیز ہوئی ہو اور اس کے نتیجے میں جماعت احمدیہ کمزور ہو گئی ہو۔ ہر مخالفت کے بعد بہت زیادہ قوت کے ساتھ جماعت شروع ہوئی اور اتنی ذلیل اور اتنی کمینی اور اتنی ظالمانہ مخالفت آج تک کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے لازماً خدا کی تقدیر نے اسے بہانہ بنانا ہے اپنے فضلوں کا۔ اور ایسے فضل فرمائے گا کہ آپ کے تصور میں بھی نہیں آ سکتے یہی حضور مسیح موعود علیہ السلام نے وہاں لکھا ہے کہ!

"اگر تم صبر پر قائم رہو گے جو میں تمہیں نصیحت کر رہا ہوں اس پر عمل کرو گے پھر تم دیکھنا کہ روز تم نئے معجزے دیکھو گے خدا کی نصرت کے اور تمہارے لئے آسمان سے فرشتے نازل ہو کر عجیب عجیب کام دکھایا کریں گے تمہیں۔"

اب وہ دور آگیا ہے اس لئے میں تو ایک دوست سے عرض کر رہا تھا کہ میرے دل کی تو عجیب کیفیت ہے مجھے تو اس مقابلے میں ایسی لذت مل رہی ہے جب ہم نے سب کچھ دے دیا ہے خدا کو تو غم والا حصہ تو ختم ہو گیا نہ تو وہ لٹنے کا غم تو رہا ہی کچھ نہیں باقی۔ اب تو جو مزہ آئے گا خدا کی خاطر کام کرنے کا اور قربانیاں پیش کرنے کا اور سب کچھ جھونک دینے کا اس کا تصور بھی دنیا والے نہیں کر سکتے۔ اس لئے کامل حوصلے میں رہنا ہے اور کامل حوصلے میں لوگوں کو رکھنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ کے دائرہ سے ایک سرمو بھی انحراف نہیں کرنا اور توحید کو پہلے سے بڑھ کر قائم رکھنا ہے۔

ساری جماعت کا دکھ اپنے سینے میں لینا ہے۔ ایک معمولی سے غریب چپڑاسی کو جو دکھ پہنچے گا پاکستان میں وہ دکھ بھی آپ کے دل پر چرکا لگانے کا موجب بن رہا ہو گا۔ اور وہ بھی خون نچوڑ لے آپ سے دعاؤں کا اور اس کے نتیجہ میں گریہ و زاری بلند ہو پھر دیکھنا کہ حیثیتیں کیا ہیں دنیا والوں کی۔ کوئی چیز نہیں اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ خدا ہو اس کو کیا پرواہ ہوا کرتی ہے کہ دنیا کیا کہتی ہے اور کیا سوچتی ہے۔ چند دن کے قصے ہیں۔ کامیابی لازماً انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے مقدر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے ہمیں حوصلے دے، ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ایسے کام کریں جس سے وہ راضی ہو۔ ہم مر رہے ہوں تو اس کے پیار کی نظریں ہمیں دیکھ رہی ہوں۔ ہم جی رہے ہوں تو اس کے پیار کی نظریں ہمیں دیکھ رہی ہوں۔

لجنہ اماء اللہ کا عہد

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

میں اقرار کرتی ہوں کہ اپنے مذہب اور قوم کی خاطر اپنی جان، مال، وقت اور اولاد کو قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہوں گی نیز سچائی پر ہمیشہ قائم رہوں گی اور خلافت احمدیہ کے قائم رکھنے کے لئے ہر وقت تیار رہوں گی۔ انشاء اللہ۔

ناصرات الاحمدیہ کا عہد

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

میں اقرار کرتی ہوں کہ اپنے مذہب، قوم اور وطن کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار رہوں گی اور سچائی پر ہمیشہ قائم رہوں گی۔

ہجرت انبیاء علیہم السلام

تحریر لئیق احمد منیر مبلغ سلسلہ

قرآن کریم نے بعض انبیاء علیہم السلام کے واقعات کی جو تفاصیل بیان فرمائی ہیں ان کا مطالعہ کر کے پتہ چلتا ہے کہ خدا تعالیٰ جن کو اپنا جانشین مقرر فرماتا ہے انہیں اپنے خاص فضل سے ایسی صلاحیتیں بھی عطا فرماتا ہے کہ وہ عام انسانوں سے الگ ایک مقام رکھتے ہیں۔ دعویٰ نبوت سے قبل ان کی نیکی اور اچھے اخلاق قوم میں مشہور ہوتے ہیں قوم کے عمدہ ترین افراد میں شمار کئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ قوم کی امید گاہ ہوتے ہیں لیکن دعویٰ نبوت کے بعد اسی قوم کی طرف سے ان پر طعن و تشنیع کی جاتی ہے۔ طرح طرح کے الزام لگائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جسمانی ایذا دہی شروع ہو جاتی ہے اور ساتھ ساتھ تمسخر کے ساتھ انہیں مخاطب کیا جاتا ہے۔ ان کے ساتھ یہ سلوک محض اس لئے کیا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے انہیں پسند کیا اور جب انہوں نے آکر قوم کو وعظ و نصیحت کے ساتھ خدائے واحد و یگانہ کی طرف دعوت دی۔ اور خدا کی خاطر وہ ان تمام دکھوں اور مصائب کو برداشت کرتے ہیں ۔ عام انسان معمولی سی بے عزتی برداشت نہیں کرتے اور انتقام لینے پر تل جاتے ہیں لیکن انبیاء عام انسانوں سے بہت بلند اخلاق پر فائز ہوتے ہیں۔ وہ خدا کی خاطر صبر کرتے ہیں اور استقامت دکھاتے ہیں۔ اور وہ امر جو خدا ان کے سپرد کرتا ہے اس کو نباہتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی کیفیت قرآن کریم کی اس آیت کا مصداق ہوتی ہے۔

"یعنی تو ان سے کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔"

(الانعام ۱۶۳)

خدا تعالیٰ انبیاء کو کبھی دنیا میں رسوا ہونے نہیں دیتا اور دنیا پر ثابت کر دیتا ہے کہ وہ ان کی پشت پر ہے۔ مخالفین تمام طرح سے انبیاء کو ختم کرنے اور ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ہم نے اس نبی اور اس کے ماننے والوں کو ختم کر دیا ہے۔ خاص طور پر جب انبیاء اذن الٰہی سے اس مخالفت کی جگہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے مقام کی طرف ہجرت کرتے ہیں۔ اس وقت مخالفین خوشی کے شادیانے بجاتے ہیں۔ اور اپنی فتح کی خوشیاں مناتے ہیں کہ ہم نے ان لوگوں کو اپنے وطن سے نکال دیا ہے اور اب یہ ختم ہو جائیں گے۔ اور یہ سلسلہ مٹ جائے گا۔ ہجرت کا وقت حقیقت میں ایسی بے کسی ظاہر کر رہا ہوتا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ دنیا والے غالب آگئے وہ لمحات مجبوری اور مظلومیت کے ہوتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ انبیاء ہزار دکھ تو برداشت کر ہی رہے ہوتے ہیں۔ اب اپنے پیارے وطن کو بھی چھوڑنا پڑتا ہے۔ وہ گلیاں اور شہر خیر باد کہنے پڑتے ہیں جن کے ساتھ انہیں محبت ہوتی ہے۔ کچھ ایسے ہی جذبات کا اظہار ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کیا جب آپ مدینہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے کہ!

"اے مکہ کی بستی تو مجھے بہت پیاری ہے لیکن تیرے رہنے والے مجھے اس میں رہنے نہیں دیتے۔"

انہیں آنسوؤں اور سسکیوں کے ساتھ وہاں سے الوداع ہونا پڑتا ہے۔ لیکن یہی آہیں اور سسکیاں عرش الٰہی سے ان کی فتوحات کی بنیاد رکھ رہی ہوتی ہیں۔ انہیں ان کی اس کسمپرسی کی حالت کو تبدیل کر کے طرح طرح کی عظمتوں کا وارث بنا دیا جاتا ہے۔ دین و دنیا کی عزتوں کے تاج ان کے سروں پر سجا دیئے جاتے ہیں۔ ان کا خدا ان کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے جو تمام طاقتوں کا مالک ہے اور یہی امر خدا کی ہستی اور انبیاء کی صداقت کا ایک زبردست نشان بن جاتا ہے۔

انبیاء کے ہجرت کے واقعات کی تفاصیل جو قرآن کریم

میں درج ہیں ان میں سے چند ایک آج کے مضمون میں شامل کئے جاتے ہیں۔
قرآن کریم کی رو سے سب سے اول مہاجر نبی حضرت آدم علیہ السلام تھے ۔ سورہ بقرہ آیات ۳۶ تا ۳۹ میں ہجرت کے اسباب کا ذکر ملتا ہے ۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے حضرت آدم علیہ السلام پہلے نبی تھے۔ ایک قوم میں آپ تشریف لائے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے احکامات سے آگاہ کیا اور ابتدائی تہذیبی اور اخلاقی اسباق سکھانے شروع کئے۔ کیونکہ جب انہیں جنت سے نکالے جانے کا حکم ہوا تو لفظ اھبطوا استعمال کیا گیا ہے جو عربی زبان میں دو سے زائد افراد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور دو سے زائد کئی سو اور کئی ہزار بھی ہو سکتے ہیں۔
قرآن کریم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ہجرت کا سبب یہ بنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی اہلیہ کو ایک درخت کے قریب جانے سے منع کیا تھا جیسے کہ فرمایا۔

" یعنی تم دونوں (آدم اور ان کی بیوی) اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔"

(بقرہ آیت ۳۶)

پھر اگلی آیات میں آتا ہے!

" اور اس کے بعد یوں ہوا کہ شیطان نے اس درخت کے ذریعہ سے ان دونوں کو ان کے مقام سے ہٹا دیا اور (اس طرح) اس نے انہیں اس (حالت) سے جس میں وہ تھے نکال دیا اور ہم نے انہیں کہا کہ یہاں سے نکل جاؤ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہیں اور یاد رکھو کہ تمہارے لئے ایک مقررہ وقت تک اس زمین میں جائے رہائش اور مال معیشت مقرر ہے۔
اس کے بعد آدم نے اپنے رب سے کچھ (دعائیہ) کلمات سیکھے اور (ان کے مطابق دعا کی) تو وہ اس کی طرف پھر فضل کے ساتھ متوجہ ہوا۔ یقیناً وہی (بندوں کی مصیبت کے وقت) بہت توجہ کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے ۔
تب ہم نے کہا کہ سب کے سب اس میں سے نکل جاؤ اور یاد رکھو کہ اگر پھر بھی تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے انہیں نہ کوئی (آئندہ کا) خوف ہو گا اور نہ وہ (سابقہ کوتاہی پر) غمگین ہوں گے۔"

حضرت آدم علیہ السلام کسی جنت میں تھے جس سے نکالے گئے۔ اس بارہ میں مختلف خیالات ہیں اس کی تفصیل اس مضمون میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ جنت اخروی جنت نہیں تھی۔ بلکہ ارضی جنت تھی۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ آدم علیہ السلام ہندوستان میں تشریف لائے تھے ۔ آپ علیہ السلام نے کتاب حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۲۳۲ پر اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ اول آدم کا ظہور بھی ہندوستان میں ہوا اور آخری آدم کا ظہور بھی ہندوستان میں ہوا تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے دعوت الی اللہ کے دائرہ کو مکمل کر دے۔
حضرت مصلح الموعودؓ نے حضرت آدم علیہ السلام کی ہجرت کے واقعات اور ان کی جو تشریح تفسیر کبیر میں فرمائی ہے ان میں سے سورۃ التین کی ابتدائی آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کی ہجرت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔
" پہلی مثال آدم کی ہے۔ آدم کو بظاہر شیطان سے شکست ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک درخت کے پاس جانے سے انہیں منع کیا تھا جس کے پاس وہ شیطان کے بہکانے کے نتیجہ میں چلے گئے اور انہیں کئی قسم کی تکالیف میں مبتلا ہونا پڑا۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔"

" یعنی ہم نے آدم کو جنت میں رکھا تو شیطان ان کا مد مقابل بن کر کھڑا ہو گیا اس پر اللہ تعالیٰ نے آدم سے فرمایا اے آدم یہ تیرا دشمن ہے اور تیری بیوی یا تیرے ساتھیوں کا بھی دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنت سے نکال دے اور تم تکلیف میں پڑ جاؤ تیرے لئے خدا کا بھی فیصلہ ہے کہ تو اس جنت میں نہ بھوکا رہے نہ ننگا، نہ پیاسا رہے اور نہ گرمی کی تکلیف تجھے ستائے۔ جب خدا نے یہ کہا تو شیطان کو اور غصہ چڑھا کہ اچھا میرے مقابلے میں اب اس کے غلبہ اور کامیابی کی خبریں دی جا رہی ہیں۔ چنانچہ شیطان نے اپنا بھیس بدلا اور اس نے

آدم کے پاس آکر کہا کہ کیا میں آپ کو ایک ایسے درخت کا پتہ دوں جس کا پھل کھانے سے آپ کو دائمی حیات مل سکتی ہے اور ایسی حکومت کا پتہ دوں جو کبھی تباہ نہ ہو گی۔ جب اس طرح کی چکنی چپڑی باتیں کیں تو دھوکا کھا جانے کی وجہ سے آدم اور اس کی جماعت یا آدم اور اس کی بیوی نے اس درخت کا پھل کھا لیا چونکہ آدم کا یہ فعل خدا کی منشاء کے خلاف تھا اس لئے یکدم اس فعل کے برے نتائج ظاہر ہونا شروع ہو گئے اور آدم کی آنکھیں کھل گئیں کہ اس نے خدائی منشاء کی خلاف ورزی کر کے سخت غلطی کی ہے۔ اس نے سمجھا کہ یہ کامیابی حاصل کرنے کا طریق ہے مگر ہوا یہ کہ دشمن کی بات مان کر اس کی مشکلات اور بھی بڑھ گئیں اور جو فتوحات اسے پہلے حاصل ہوئی تھیں ان میں یکدم روک پیدا ہو گئی۔ .... جب شیطان نے آدم کو جنت سے نکلنے کا سامان کیا تو آدم نے ورق الجنتہ کو اپنے ساتھ لپیٹ لیا اور اس طرح وہ ننگ جو ظاہر ہوا تھا اس کو ڈھانک لیا۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ ورق الجنتہ تعبیر رویاء کے مطابق انجیر کے پتوں کو کہتے ہیں اور جیسا کہ انجیر کے معنے صلحاء اور پاک طبیعت لوگوں کے ہیں۔ اسی طرح ورق الجنتہ کے معنے بھی جنتی نسل کے ہیں اور جنتی نسل وہی ہوتی ہے جو صلحاء اور پاک لوگوں پر مشتمل ہو۔ بہر حال قرآن کریم اور بائیبل (پیدائش باب ۳ آیات ۱ تا ۷) دونوں اسی امر پر متفق ہیں کہ شیطان جب آدم کو دھوکا دینے میں کامیاب ہوا تو آدم نے انجیر کے پتوں کو اپنے گرد لپیٹ لیا یعنی جب شیطان نے انہیں دھوکا دیا اور صلح کے نام پر آدم کو اپنے ساتھ ملا کر خدائی سکیم کو ناکام بنانا چاہا تو آدم کو یکدم اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور انہوں نے مومنوں کی جماعت کو اپنے ساتھ ملا کر شیطانی تدابیر کو ناکام کر دیا۔ شیطان نے تو چاہا کہ اس ذریعہ سے وہ آدم کو شکست دے دے مگر بجائے اس کے کہ آدم کا یہ فعل ان کے لئے کسی خرابی یا نقصان کا موجب ہوتا ان کے اندر ایک نئی بیداری پیدا ہو گئی اور وہ ترقی کے میدان میں اور آگے نکل گئے۔"

(از تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۱۶۱ تا ۱۶۳)

حضرت نوح علیہ السلام

سورۃ اعراف میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ان الفاظ میں آتا ہے۔

"یعنی ہم ضرور نوح کو رسول بنا کر اس کی قوم کی طرف بھیج چکے ہیں۔ اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں میں تم پر بڑے دن کے عذاب نازل ہونے سے ڈرتا ہوں۔ اس قوم کے بڑے لوگوں نے کہا اے نوح! ہم تجھ کو کھلی گمراہی میں مبتلا دیکھتے ہیں .... انہوں نے اس کا انکار کیا پس ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ایک کشتی کے ذریعہ نجات دی اور ہم نے ان لوگوں کو جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا تھا غرق کر دیا۔ وہ ایک اندھی قوم تھے۔"

حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے نام کی تبلیغ کرتے مگر قوم کے سرداران اور قوم نے شدید مخالفت اور استہزاء کیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ سے خبر پا کر قوم کو ایک عذاب شدید کی خبر دی۔ مگر قوم پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ان واقعات کی تفصیل سورۃ ہود کی آیات ۲۶ تا ۵۰ میں درج ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی تو قوم کے بڑوں نے اس طرح جواب دیا۔

"بڑے لوگوں نے جنہوں نے اس قوم میں سے انکار کیا تھا اسے کہا کہ ہم تجھے اپنے جیسے ایک آدمی کے سوا کچھ نہیں سمجھتے اور نہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سوائے ان لوگوں کے جو سرسری نظر میں ہم سے حقیر ترین ہیں کسی نے تیری پیروی اختیار کی ہو اور ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نہیں

دیکھتے بلکہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو۔"

(سورۃ ہود آیت ۲۸)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے انکار کی وجہ تکبر بیان فرمایا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے واقع میں بھی ابلیس کے سجدہ سے انکار اس کا تکبر ہی تھا۔ اس وقت بھی ابلیس نے اپنے آپ کو بہتر کہہ کر سجدہ سے انکار کیا۔ یہی تکبر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں کے انکار کی وجہ بنا۔ بلکہ ساری تاریخ انبیاء کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کے انکار کی سب سے بڑی وجہ مخالفین کا تکبر ہوتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مخالف فرعون بھی تکبر کا شکار تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مخالف نمرود بھی اس مرض کا شکار تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اولین دشمن ابوجہل جسے کبھی ابوالحکم یا ابو الفضل کہا جاتا تھا۔ وہ اپنی حکمت اور فضیلت کے رعب اور تکبر کا شکار رہا جس وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منکر بنا اور ابوالحکم سے ابوجہل کا خطاب پایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مخالف مولوی محمد حسین بٹالوی اس زعم کا شکار رہا کہ ان کی تعریف و توصیف کے نتیجہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو شہرت اور عزت ملی ہے۔ اب وہ ہی اس عزت کو ختم کرے گا۔ نتیجتاً خود ذلیل اور رسوا ہوئے۔

غرض یہ ابلیسی روح ہے جو انبیاء کی مخالفت پر قوم کے بعض نام نہاد بڑوں کو ابھارتی ہے۔ ہر دور میں یہ بد روح انبیاء کے مقابلہ پر آئی اور ہر دور میں رسوا ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام خدا کے حضور عاجزی سے دعائیں کرتے ہیں۔ قوم کو بچانا چاہتے ہیں۔ انہیں ذلتوں سے نکال کر عزتیں دینا چاہتے ہیں اور ہر طرح نصائح سے کام لیتے ہیں مگر قوم کا رد عمل اس کے بالکل برعکس ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کے مقابلہ میں قوم کے رد عمل کو قرآن کریم کی سورۃ نوح آیات ۶ تا ۸ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

" اس نے اپنے رب سے کہا اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات کے وقت بھی پکارا اور دن کے وقت بھی پکارا۔ مگر میری تبلیغ کی وجہ سے وہ اور بھی دور بھاگنے لگے اور میں نے جب کبھی ان کو تبلیغ کی تا کہ وہ مان لیں اور تو ان کو معاف کر دے تو انہیں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑے اپنے سر کے گرد لپیٹ لئے اور انکار پر اصرار کیا اور شدید تکبر سے کام لیا۔"

ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی تباہی کی خبر دی اور حضرت نوح علیہ السلام کو وہاں سے ہجرت کو جانے کا ارشاد فرمایا۔ اس ہجرت کی غرض سے حضرت نوح علیہ السلام کو ایک کشتی کی تعمیر کا حکم دیا۔ فرمایا!

" اور تو ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنا اور جن لوگوں نے ظلم کا شیوا اختیار کیا ہے ان کے متعلق مجھ سے کوئی بات نہ کر وہ ضرور ہی غرق کئے جائیں گے۔"

(سورۃ ہود آیت ۳۸)

پھر اگلی آیات میں اس بات کا ذکر ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام اپنے احباب کے ساتھ مل کر کشتی بنا رہے تھے تو قوم ان کا مذاق اڑاتی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام نے جو عذاب شدید کی خبر دی تھی اس کے جواب میں سخت کلامی کرتی تھی اور اس بات کا تقاضا کرتی تھی کہ جس عذاب کی تم خبر دے رہے ہو اسے جلد لے آؤ۔ چنانچہ جب کشتی تیار ہو گئی اور عذاب کا وقت آ گیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا

" چنانچہ (جب طوفان آگیا) تو اس نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ اس میں سوار ہو جاؤ۔ اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرایا جانا اللہ

کے نام کی برکت سے ہو گا۔ میرا رب یقیناً
بہت ہی بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے
والا ہے۔"

(سورۃ ہود آیت ۴۱)

اس کے بعد پھر ایسا شدید عذاب سیلاب کی صورت میں آیا کہ پوری قوم صفحہ ہستی سے مٹا دی گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے بھی ساتھ دینے سے انکار کیا اور خدا کے عذاب کا شکار ہوگیا۔ اس موقع پر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے بارہ میں خدا سے التجا کی کہ وہ میرے اہل میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح

"یعنی وہ تیرے اہل میں سے ہرگز نہیں
کیونکہ وہ برے عمل کرنے والا ہے۔"

اس آیت سے واضح ہے کہ انبیاء کے اہل صرف گھر کے نیک افراد ہی نہیں ہوتے بلکہ آپ پر ایمان لانے والے اور عمل صالح کرنے والے بھی نبی کے اہل قرار پاتے ہیں۔ اور بد اعمال بجا لانے والے اگرچہ بیٹا ہی کیوں نہ ہو وہ اہل میں شمار نہیں ہوتا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے سفر کو اللہ تعالیٰ نے سلامتی اور برکتوں والا سفر قرار دیا۔اور سورۃ ہود آیت ۴۹ میں اس سفر کا ذکر یوں فرمایا!

"یعنی اسے کہا گیا کہ اے نوح! تو ہماری
طرف سے سلامتی اور طرح طرح کی
برکتوں کے ساتھ جو تجھ پر اور ان امتوں
پر جو تیرے ساتھ ہیں سفر کر۔"

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ ہجرت سے یہ سبق ملتا ہے کہ وہ لوگ جو خدا کے نبی کا ساتھ دیتے ہیں اور نیک اعمال بجا لاتے ہیں وہ خدا کی طرف سے سلامتی دیئے جاتے ہیں۔ دنیا کے طوفانوں سے وہ بچائے جاتے ہیں۔ اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ نبی کے ماننے والے مخالفین کے ہنسی مذاق کی پرواہ نہیں کرتے وہ اس کام میں لگے رہتے ہیں جس کا خدا انہیں حکم دیتا ہے۔ یعنی کامل اطاعت اور وفاداری کے ساتھ خدا کے مامورین کا ساتھ دیتے ہیں۔ انبیاء کی تعلیمات قوموں کے لئے کشتی نوح کا درجہ رکھتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی جماعت کو جو نصائح فرمائیں ان نصائح پر مشتمل کتاب کا نام کشتی نوح رکھا۔ آج کے خطرناک طوفانوں سے نجات آج صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں شامل ہو کر، آپ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے خلفاء کی تعلیمات اور نصائح پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کے ساتھ وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت ابراہیم علیہ السلام

"اور تو قرآن کی رو سے ابراہیم کا ذکر کر وہ
یقیناً بڑا راستباز تھا۔"

(سورۃ مریم آیت ۴۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا راستباز نبی کے طور پر ذکر فرمایا ہے اس سے پتہ چلتا ہے آپ سچائی کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج کا ذکر مسند احمد بن حنبل میں جو بیان ہوا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ساتویں آسمان پر آپ کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ کا مقام ہے جہاں ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل سے بے شمار انبیاء قوم بنی اسرائیل میں مبعوث فرمائے۔ اور آپ کے نبی بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے حضرت خاتم الرسل وجہ تخلیق کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس قوم میں مبعوث ہوئے وہ قوم ستارہ پرست تھی۔ چاند، سورج، اور ستاروں کی عبادت کرتی تھی۔ علاوہ ازیں بت پرست تھی۔ طرح

طرح کے بت بنا رکھے تھے جن کے آگے سر جھکاتی اور ان کی عظمت کے گیت گاتی تھی۔ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا (عربی زبان میں اب کا لفظ والد اور چچا دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ تحقیقات سے ثابت ہے کہ بت بنانے کا کام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کرتے تھے نہ کہ والد۔) بت تراشی کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں بھی نصائح کرتے اور سمجھاتے تھے۔ اسی طرح آپ اپنی قوم کے ساتھ مباحثات بھی کرتے تھے اور انہیں حکمت کے ساتھ ان کے عقائد کا غلط ہونا ان پر ثابت کرتے۔ سورۃ الانعام کی آیات ۷۷ تا ۸۰ میں اس بحث کا ذکر ہے۔ جس میں آپ نے اس طور پر انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ رات کو جب ستارہ نمودار ہوا تو سوالیہ طور پر پوچھا کہ کیا یہ میرا رب ہو سکتا ہے؟ مگر جب ستارہ ڈوب گیا تو فرمایا کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر چاند کو دیکھ کر اس کے خدا ہونے کا سوال اٹھایا مگر جب وہ غائب ہو گیا تو اس کمزوری کو خدا کی طرف منسوب کرنا اور اسے خدا قرار دینا گمراہ کن قرار دیا۔ پھر سورج طلوع ہوا تو فرمایا کہ کیا یہ میرا خدا ہو سکتا ہے؟ مگر وہ بھی غائب ہو جاتا ہے تو قوم کو مخاطب کرتے ہیں کہ کیا یہ تمہارے خدا ہیں جو ڈوب جاتے ہیں۔ زوال پذیر ہو جاتے ہیں غائب ہو جاتے ہیں۔ اس طور سے جب ان کے ساتھ بحث کی تو ان کی کمزوریاں ان پر کھول دیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

> "یعنی (اللہ فرماتا ہے) یہ ہماری طرف سے دی ہوئی دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے خلاف سکھائی۔"
>
> (سورۃ انعام ۸۴)

پھر سورۃ الانبیاء کی آیات ۵۳ تا ۷۹ میں قوم کو بتوں کی کمزوری ثابت کرنے کے لئے ایک نئی حکمت عملی سے کام لیا۔ آپ نے قوم کو بت پرستی کے خلاف وعظ و نصائح کیں۔ قوم نے کہا کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ایسے کرتے دیکھا ہے اور یہی ہم نے سیکھا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں فرماتے ہیں!

> "بت نہ حرکت کر سکتے ہیں۔ جو حرکت نہیں کر سکتے وہ باقی دنیا کے نظام کو کس طرح چلا سکتے ہیں۔ صرف وہی خدا زندہ خدا ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔"

لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغ سن کر چلے گئے تو آپ نے سب بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کو دیا سوائے بڑے بت کے۔ لوگوں نے جب اپنے بتوں کو ٹوٹے پھوٹے دیکھا تو اس شخص کو تلاش کرنا شروع کیا جس نے ان کے بتوں کو توڑا پھوڑا تھا۔ بعض اور لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا کہ وہی بتوں کی برائیاں کرتا ہے۔ ان سے پوچھا جائے۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا گیا تو آپ نے جواباً فرمایا بل فعله کہ کسی کرنے والے نے یہ کام کیا ہے۔ کبیر هم هذا مسئلوهم یہ بڑا بت سامنے ہے اس سے پوچھ لو کہ کس نے باقی بتوں کو توڑا ہے۔ ان کانو ینطقون اگر یہ بول سکتے ہیں۔

یہ طرز تبلیغ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا جو قرآن کریم نے ذکر کیا ہے۔ ان دلائل سے قوم لاجواب ہو گئی۔ پھر آپ نصیحت فرماتے ہیں کہ کیا اللہ کو چھوڑ کر تم ایسی ہستیوں کی عبادت کرتے ہو جو نہ نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں تب لوگ مشتعل ہو گئے اور کہنے لگے اس شخص کو یعنی ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دو۔ اور اسے جلا دو۔ اس طرح ہم اپنے بتوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا مگر اللہ تعالیٰ نے آگ کو فرمایا!

> "تب ہم نے کہا اے آگ تو ابراہیم کے لئے ٹھنڈی ہو جا اور اس کے لئے سلامتی کا باعث بن جا۔"
>
> (الانبیاء ۷۰)

سورۃ الصفت آیات ۸۴ تا ۱۰۰ میں اس واقع کو دھرایا ہے

اور آیت ۱۰۰ میں آپ نے اپنی ہجرت کا ذکر کیا فرمایا!

" ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف جاؤں گا وہ مجھے ضرور کامیابی کا رستہ دکھائے گا۔ "

حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے رہنے والے تھے۔ آپ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے جس علاقے کی طرف ہجرت کا ارشاد فرمایا وہ فلسطین تھا۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ تفسیر کبیر میں سورۃ انبیاء کی آیت ۷۲ کی تفسیر میں اس ہجرت کا حال اس طرح بیان فرماتے ہیں!

" حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے اور میں رہتے تھے جو عراق کے علاقہ میں تھا۔ وہاں سے آپ فاران کی طرف جو بالائی عراق میں واقع ہے تشریف لے گئے اور وہاں سے کنعان کی طرف خدا تعالیٰ کے حکم سے آپ نے ہجرت کی اور یہ زمین آئندہ ان کی اولاد کے لئے مقرر کر دی گئی۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام دونوں کو نجات دی اور کامیاب کر کے فلسطین میں لے گیا۔ "

(تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۵۳۲)

حضرت لوط علیہ السلام

جیسا کہ اوپر کے بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ حضرت لوط علیہ السلام نے بھی فلسطین کی طرف ہجرت کی۔ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے۔ سورۃ العنکبوت آیت ۲۷ میں اس طرح ذکر آتا ہے کہ!

" یعنی حضرت لوط آپ پر یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے اور ابراہیم نے کہا کہ میں تو اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ "

پھر سورۃ انبیاء کی آیت ۷۲ میں دونوں کا عراق سے فلسطین کی طرف ہجرت کر جانے کا ذکر ملتا ہے۔ فلسطین میں آپ جس قوم میں آباد تھے وہ قوم بعض بد اخلاقیوں میں بمتلا تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام انہیں منع فرماتے کہ ان بے حیائیوں سے بچو مگر قوم بدیوں میں اس طور غرق تھی کہ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی نصائح پر عمل کرنے کی بجائے انہیں ملک بدر کرنے کی دھمکی دی۔ اس کا ذکر سورۃ الشعراء کی آیت ۱۶۸ میں اس طرح فرماتا ہے کہ!

" انہوں نے کہا اے لوط اگر تو باز نہ آیا تو تو ملک بدر کئے جانے والوں میں شامل ہو جائے گا۔ "

جب قوم نے بجائے اصلاح کرنے کے حضرت لوط علیہ السلام کو دھمکیاں دینی شروع کیں تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی!

" حضرت لوط نے کہا اے میرے رب! مفسد قوم کے خلاف میری مدد کر۔ "

(سورۃ العنکبوت ۳۱)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قوم کی تباہی کی خبر حضرت لوط علیہ السلام کو دی اور حضرت لوط علیہ السلام کو فرمایا کہ اس رات اپنے ساتھیوں کو لے کر نکل جانا اس ہجرت کے موقع پر آپ کی اہلیہ نے آپ کا ساتھ نہیں دیا اور پیچھے قوم میں رہی۔ فرمایا!

" اللہ تعالیٰ کے فرستادوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو کہا کہ قوم کی تباہی کا وقت آ پہنچا ہے اور تو رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر تیزی سے یہاں سے چلا جا اور تم میں سے کوئی فرد بھی ادھر ادھر نہ دیکھے۔ ہاں تیری بیوی ایسی ہے کہ جو عذاب ان پر آیا ہوا ہے وہ اس پر بھی یقیناً آئے گا۔ "

(سورۃ ہود ۸۲)

پھر اسی صبح اس قوم پر پتھروں کی بارش سے قوم کو تباہ کر دیا گیا۔

"پھر ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی جن کو خدا کی طرف سے ہوشیار کیا جاتا ہے ان پر برسائی جانے والی بارش بہت بری ہوتی ہیں۔"

سورۃ الانبیا کی آیات ۷۵ اور ۷۶ میں فرمایا!

"کہ حضرت لوط علیہ السلام کو اس بستی سے نجات دی جو ہنایت گندے کام کرتی تھی اور وہ قوم سخت نافرمان تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل کریں وہ ہمارے نیک بندوں میں سے تھا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کی تفصیل قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوئی ان میں سورۃ طٰہ، قصص، شعراء، دخان و سورۃ یونس وغیرہ ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تفصیلی حالات بیان کرنا مقصود ہنیں بلکہ صرف اہنیں واقعات کا ذکر کیا جانا مقصود ہے جن میں آپ کو فرعون کے مظالم سے تنگ آ کر مصر سے کنعان کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔

سورۃ طٰہ میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرماتا ہے!

"اور میں نے تجھے چن لیا ہے پس جو تیری طرف وحی کیا جاتا ہے اسے سن۔"

(طٰہ ۱۴)

آپ کو مقام نبوت پر فائز کرنے کے بعد آپ کو بعض نشانات دئے جن میں آپ کے عصا کا سانپ بن کر دوڑنا اور پھر واپس اصل عصا کی شکل میں آ جانا۔ اپنی بغل میں اپنے ہاتھ کو ڈالنا اور اس ہاتھ کا سفید ہو جانا۔ یہ نشانات در حقیقت کشفی نظارے تھے ان کی الگ تفصیل ہے جس کا ہمارے مضمون سے تعلق ہنیں ہے۔

ان نشانات کو آپ پر ظاہر کرنے کے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کو جا کر وعظ و نصیحت کرنے اور تبلیغ کرنے کا ارشاد فرمایا۔ آپ کی قوم بنی اسرائیل اس وقت فرعونیوں کے مظالم کا شکار تھی اس قوم کو نجات دلانے کی کوشش کر۔

"فرعون کی طرف جا اس نے سرکشی اختیار کی ہے۔"

(سورۃ طٰہ ۲۵)

اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی!

رب اشرح لی صدری * ویسرلی امری * واحلل عقدۃ من لسانی (طٰہ ۲۷)

"کہ اے میرے رب میرا سینہ کھول دے اور جو فرض مجھ پر ڈالا گیا ہے اس کو پورا کرنا آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے۔"

زبان کی گرہ کھولنے سے مراد احسن طور پر پیغام حق پہنچانا ہے نہ کہ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ نعوذ باللہ آپ کی زبان میں لکنت تھی۔ دوسرے انسان کی اپنی تیزی اور چالاکی تبلیغ کے مفید نتائج پیدا ہنیں کرتی اللہ تعالیٰ قوت بیان میں جاذبیت پیدا کرتا ہے اور سننے والے پر اثر ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ میرے بھائی ہارون کو بھی میرے ساتھ بھیج دے تا کہ اس ذریعہ میری قوت میں اضافہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

"کہ تو اور تیرا بھائی میرے نشانات لے کر جاؤ اور میرے ذکر میں کوتاہی نہ کرو تم دونوں ہی فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ اس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔"

(سورۃ طٰہ ۴۳ و ۴۴)

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے نبی بھائی

ہارون علیہ السلام دونوں نے جا کر فرعون کو اللہ تعالیٰ کی کھلی کھلی آیات سنائیں اور انہیں تبلیغ کی تو انہوں نے آپ کو جادو گر کہنا شروع کر دیا۔ فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو طنزیہ طور پر کہا کہ میرے لئے ایک قلعہ تیار کراؤ جس پر چڑھ کر میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں۔ اور ہنہایت تکبر سے آپ کے پیغام کو رد کر دیا اور کہا!

"کہ میں تو اسے جھوٹوں میں سمجھتا ہوں۔

(القصص ۳۹)

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو انہوں نے جادوگر مشہور کر دیا تھا۔ جیسا کہ سورۃ طہٰ کی آیت ۶۴ میں فرمایا!

"کہ یہ دونوں محض جادوگر ہیں وہ تمہیں اپنے جادو کے زور سے ملک سے نکال دینا چاہتے ہیں۔"

فرعون نے اپنے دربار کے جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ کے لئے کہا جب میدان میں جادوگر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام آگئے تو جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا!

"کہ اے موسیٰ تو پہلے اپنی تدبیر پھینکے گا یا پہلے ہم پھینکیں۔"

اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے اپنی دعوت دی۔ چنانچہ انہوں نے رسیاں زمین پر پھینکیں۔ وہ اس طرح حرکت کرتی تھیں جس طرح سانپ ہوں۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا سونٹا ان پر مارا تو ان رسیوں کی حقیقت کھل گئی۔ جو دراصل کاریگری کر کے ان کے اندر پارہ بھر دیا گیا تھا جس سے وہ حرکت کر رہی تھیں۔ اس پر جادوگروں نے اپنی چالاکی کا بھانڈا پھوٹتے دیکھ کر حضرت موسیٰ پر فوراً ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ اس بات کا ذکر قران کریم کی سورۃ طہٰ آیت ۷ میں یوں ہے!

"وہ (جادوگر اپنے ضمیر کی آواز سے) سجدے میں گرا دیئے گئے۔ اور کہنے لگے ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔"

فرعون نے اپنی ذلت آمیز شکست کو دیکھ کر ان ایمان لانے والوں کو دھمکایا اور ڈرایا کہ تم میرے حکم کے بغیر ایمان لے آئے ہو۔ میں اس خلاف ورزی کی بنا پر تمہارے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دوں گا اور تمہیں کھجور کے تنوں کے ساتھ باندھ کر صلیب دے دوں گا۔ لیکن ان مومنین پر فرعون کی دھمکیوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ان کے دلوں میں خدا پر ایمان راسخ ہو گیا۔ اور انہوں نے فرعون کو مخاطب کر کے کہا کہ ہم تجھے خدا تعالیٰ کے نشانات پر فوقیت نہیں دے سکتے ہم زمین و آسمان کے مالک خدا پر ایمان لائے ہیں۔ تجھ سے جو زور چلتا ہے چلا لے۔ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے ہیں وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ماننے والوں کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھیوں سمیت جو چند ہزار کی تعداد میں تھے مصر کو چھوڑ کر کنعان کی طرف ہجرت کرنے کا ارشاد فرمایا۔ کلام پاک کی سورۃ طہٰ آیت ۷۸ میں اس کا یوں ذکر ہے۔

"کہ ہم نے موسیٰ کو ہدایت کی کہ رات کے اندھیرے میں اپنے ساتھیوں کو نکال کر لے جا اور سمندر کے خشک حصہ سے ان کو بتا۔"

اسی طرح قرآن کریم کی سورۃ الدخان آیت ۲۴ میں ہے کہ!

"تب خدا نے کہا کہ تو میرے بندوں کو راتوں رات اس ملک سے نکال کر لے جا اور یہ خیال رکھ کہ فرعون تمہارا پیچھا کرے گا۔"

سورۃ یونس آیت ۹۱ میں فرعون کے سمندر میں غرق ہونے

کا ذکر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتھیوں کو لے کر نکلے اور سمندر کے خشک حصہ سے گزار کر جہاں سے سمندر کا پانی جذر کی حالت میں تھا نکل گئے۔ آپ علیہ السلام کے پیچھے تعاقب کرتے ہوئے فرعون کا لشکر جب سمندر کے خشک حصہ میں داخل ہوا تو پانی واپس آگیا اور فرعون معہ اپنے لشکر کے سمندر میں ڈوب گیا اور ہلاک ہو گیا۔ ڈوبتے وقت فرعون نے کہا!

"کہ میں اس ہستی پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اس کے سوا کوئی معبود نہیں میں سچی فرمانبرداری اختیار کرنے والوں میں سے ہوتا ہوں۔

(سورۃ یونس آیت ۹۱)

اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اب تو ایمان لاتا ہے اور اس سے پہلے تو نے فساد برپا کیا ہوا تھا ہم تیرے بدن کو بعد میں آنے والوں کے لئے محفوظ رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے موافق فرعون کی لاش سڑنے سے محفوظ رہی اور اس وقت مصر کے عجائب گھر میں دیکھی جا سکتی ہے۔

آل فرعون پر خدا کی لعنت اس دنیا میں بھی ہوئی اور آخرت میں بھی ہوگی۔ اس کا ذکر خدا تعالیٰ یوں فرماتا ہے

"اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی لگائی جائے گی۔"

(سورۃ ہود ۱۰۰)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسرائیلی سلسلہ انبیاء کے آخری رسول تھے۔ آپ کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے پیش نظر بغیر باپ کے ہوئی۔ آپ کی والدہ محترمہ حضرت مریم بہت پاکباز اور نیک خاتون تھیں۔ قرآن کریم نے انہیں صدیقہ کا لقب دیا۔ فرمایا!

یعنی آپ کی والدہ بہت راستباز تھیں۔

(سورۃ مائدہ ۱۵۵)

اس طرح آپ کی پاکبازی کا ذکر قرآن کریم میں آتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ کی پیدائش کی حکمت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بیان فرمائی ہے۔

"میں ہمیشہ سے اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ بے باپ پیدا ہوئے تھے اور ان کا بے باپ پیدا ہونا ایک نشان تھا اس بات پر کہ اب بنی اسرائیل کے خاندان میں نبوت کا خاتمہ ہوتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ وعدہ تھا کہ بشرط تقویٰ نبوت بنی اسرائیل کے جاری رہے گی۔ لیکن جب تقویٰ نہ رہا تو یہ نشان دیا گیا تاکہ دانشمند سمجھ لیں کہ اب آئندہ اس سلسلہ کا انقطاع ہوگا۔"

(ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۲۵۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں کلمہ اور رحمت قرار دیا۔ فرمایا!

"مسیح ابن مریم اللہ کے رسول تھے اور اس کی ایک بشارت تھا جو اس نے مریم کی طرف نازل کی تھی اور اس کی طرف سے ایک رحمت تھا۔"

یہود نا مسعود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ پر طرح طرح کے گندے الزام لگائے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دونوں کی پاکیزگی کا ذکر کیا۔ حضرت مریم کے بارہ میں فرمایا!

"کہ اے مریم اللہ نے یقیناً تجھے برگزیدہ کیا ہے اور پاک رکھا ہے اور سب جہانوں کی عورتوں کے مقابلہ میں تجھ کو چن لیا ہے۔"

(سورۃ آل عمران ۴۳)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام یوں بیان فرمایا!

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں

بھی اور آخرت میں بھی صاحب منزلت ہو گا اور خدا کے مقربوں میں سے ہو گا۔ اور چھوٹی عمر میں بھی لوگوں سے باتیں اور ادھیڑ عمر میں بھی نیک لوگوں میں سے ہوگا۔"

آپ کو اللہ تعالیٰ نے " ورسولا الیٰ بنی اسرائیل (آل عمران ۵۰) قرار دیا یعنی آپ بنی اسرائیل کے نبی ہیں۔ اس لئے آج مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام زندہ آسمان پر ہیں اور دوبارہ تشریف لاکر مسلمانوں کی اصلاح کریں گے اس آیت کے خلاف ہے۔ قیامت تک ان کا یہ مقام ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے رسول ہیں مسلمانوں کے نہیں ۔ اگر فرض محال آج وہ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق آکر مسلمانوں کی اصلاح کریں تو قرآن کریم کی اس آیت کی خلاف ورزی ہوگی۔ یہ خدا اور اس کے انبیا کی شان کے خلاف عقیدہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قوم کی اصلاح کی خاطر بعض معجزات عطا فرمائے جن میں سے مٹی سے پرندوں کا پیدا کرنا۔ اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفا عطا کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا ہے۔

انبیاء روحانیت زندہ کرنے آتے ہیں۔ مادی طور پر تو دنیا والے ترقیات حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ انسان مادیت کی ترقی میں حد سے زیادہ مادہ پرست ہو جاتے ہیں اور خدا کو بھول بیٹھتے ہیں اس لئے ایسے لوگ روحانی طور پر مردہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خدا اپنے نبیوں کے ذریعہ سے انکی روحانیت کو آسمانی پانی کے ذریعہ سے پھر زندہ کرتا ہے اور اس طور قوم کے اندر ایک روحانی بیداری پیدا ہوتی ہے۔ یہ انبیاء کے معجزات کی عظمت ہوتی ہے۔ وہ روحانی انقلاب برپا کرنے کے لئے تشریف لاتے ہیں اور اسی سنت انبیاء کے تحت حضرت عیسیٰ علیہ اسلام نے بھی خدا کی مدد سے ایسے معجزات دنیا میں دکھائے کہ جو مردوں کو زندہ کرنے والے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تعلق رکھنے والا سب سے اہم واقعہ صلیب کا واقعہ ہے جبکہ آپ کے دشمنوں نے آپ کے خلاف تدابیر کیں اور اسوقت کی رومی حکومت پر دباؤ ڈالا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر لٹکانا ضروری ہے اور آپ کے خلاف کئی قسم کے الزامات لگائے اور اپنی کوششوں میں اس حد تک کامیاب ہوگئے کہ آپ کو صلیب پر لٹکا دیا جائے۔ اہل یہود اپنی شریعت کی رو سے ان کو صلیب پر لٹکا کر اس لئے مارنا چاہتے تھے۔ کیونکہ ان کی شریعت میں لکھا ہے کہ صلیب پر موت لعنتی موت ہے۔ اس منصوبے سے وہ دنیا پر ثابت کرنا چاہتے تھے کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر لٹک کر لعنتی ہو گئے ہیں اس طور سے ان کا سلسلہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

بد قسمتی سے بعد میں آنے والے عیسائیوں نے خود اس عقیدہ کو اختیار کر لیا یعنی حضرت عیسیٰ کی لعنتی موت کو قبول کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی سو سال بعد مسلمانوں نے بھی اس عقیدہ کو غلط رنگ دے کر اختیار کر لیا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر لٹکایا جانا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے کسی ہم شکل کو بھیج دیا جسے یہود نے صلیب پر مار دیا ۔ مگر اصل عیسیٰ کو آسمان پر زندہ اٹھا لیا۔ اگر اس بات کو مان لیا جائے تو خدا تعالیٰ کی ذات پر بڑا الزام آتا ہے ۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی حفاظت زمین پر کرتا ہے۔ آپ سے پہلے انبیاء کی حفاظت بھی زمین پر کی جبکہ ان کے خلاف دشمنوں نے خطرناک تدابیر کیں۔ مثلاً حضرت ابراھیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا مگر اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنی قدرت کا اظہار فرمایا اور آگ کو ٹھنڈا کر دیا نہ کہ آگ سے بچانے کے لئے آسمان پر اٹھا لیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کی جب فرعون نے آپ کا تعاقب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے سمندر کو خشک کر دیا اور وہ پار نکل گئے۔ جبکہ فرعون کا لشکر جب سمندر میں پہنچا تو پانی آگیا اور سارا لشکر ہلاک ہوگیا۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں اپنی

قدرتوں کو ظاہر کر کے حفاظت کی پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں خدا تعالیٰ کی قدرت میں کمزوری کا خیال بہت بڑی جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ عقل عطا کرے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب مسیح ہندوستان میں بڑی تفصیل سے آپ کے صلیب سے بچائے جانے پر قرآن کریم۔ بائبل اور طب اور کتب تواریخ سے حوالے دیئے ہیں۔ اور یہ ثابت کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے صلیب سے زندہ رکھا اور آپ کی حفاظت فرمائی۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں فرماتا ہے!

"انہوں نے (یعنی مسیح کے دشمنوں نے) بھی تدابیر کیں اور اللہ نے بھی تدبیریں کیں اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدابیر کرنے والا ہے۔"

(آل عمران ۵۵)

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر لٹکایا گیا تو وہ جمعہ کا دن تھا اور شام کا وقت تھا اسے تیاری کا دن بھی کہا جاتا ہے جو سبت سے پہلے ہوتا ہے۔ اور ان کے عقیدہ کے مطابق سبت کے روز کسی کو صلیب پر نہ رکھا جائے۔ پھر خدا کی تدبیر سے اس وقت ایسی آندھی آئی جس سے ساری زمین پر اندھیرا چھا گیا (مرقس باب ۱۵ آیت ۳۳) یہودیوں نے اس اندھیرے سے خائف ہو کر کہ کہیں سبت کی رات نہ شروع ہو جائے جلدی سے مسیح اور دوسرے دو چوروں کو صلیب سے اتار دیا۔ قانون کے مطابق صلیب سے اتار کر ہڈیاں توڑی جاتی ہیں جیسا کہ باقی دونوں چوروں سے کیا گیا۔ مگر الٰہی تدبیر سے حضرت عیسیٰ کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں بلکہ صرف ایک بھالہ مارا جانے کا ذکر ہے۔

آپ صلیب پر خون بہہ جانے کی وجہ سے بے ہوشی کی حالت میں تھے اور اسی حالت سے آپ کو اتارا گیا۔ وہیں آپ کے صحابہ بھی موجود تھے۔ جنہوں نے آپ کے بے ہوش جسم کو اٹھا کر خفیہ طور پر ایک غار میں چھپا دیا۔ اور اس غار میں تین روز تک چھپائے رکھا اور آپ کے زخموں کے لئے مرہم تیار کی جس سے زخم بہتر ہوئے۔ طبی کتب میں مرہم عیسیٰ کا ذکر آتا ہے جس سے آپ کا علاج کیا گیا۔

ان تکالیف کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم پر آپ نے بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف ہجرت کی۔ وہ بھیڑیں کون تھیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مشہور تاریخی کتاب روضۃ الصفا کے حوالے سے یہ بات ثابت کی ہے کہ حضرت مسیح ہجرت کر کے افغانستان اور کشمیر کی طرف آئے۔ اس سے حضور نے یہ واقعات تحریر فرمائے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ!

"حضرت مسیح علیہ السلام سیر کرتے کرتے نصیبین تک پہنچ گئے تھے اور نصیبین موصل اور شام کے درمیان ایک شہر ہے جس کو انگریزی نقشوں میں نسی بس کے نام سے لکھا ہے۔ جب ہم ملک شام سے فارس کی طرف سفر کریں تو ہماری راہ میں نصیبین آئے گا اور وہ بیت المقدس سے تقریباً ساڑھے چار سو کوس ہے پھر نصیبین سے قریباً ۴۸ میل موصل ہے جو بیت المقدس سے پانچ سو میل کے فاصلہ پا ہے اور موصل سے فارس کی حد صرف سو میل رہ جاتی ہے اس حساب سے نصیبین فارس کی حد سے ڈیڑھ سو میل پر ہے اور فارس کی مشرقی حد افغانستاں کے شہر ہرات تک ختم ہوتی ہے یعنی فارس کی طرف ہرات افغانستان کی جنوبی حد۔ یہ ان ملکوں اور شہروں کا نقشہ جن سے حضرت مسیح علیہ السلام کا کشمیر کی طرف

آتے ہوئے گزر ہوا۔ اسی سیر سیاحت سے آپ کا ارادہ تھا کہ تا اول ان بنی اسرائیل کو ملیں جن کو شاہ سلمندر پکڑ کر ملک میدیا میں لے گیا تھا .... تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا نصیبین کی طرف سفر کرنا اس غرض سے تھا کہ تا فارس کی راہ سے افغانستان میں آویں اور ان گمشدہ یہودیوں کو جو آخر افغان کے نام سے مشہور ہوئے حق کی طرف دعوت دیں۔ افغان کا نام عبرانی معلوم ہوتا ہے یہ لفظ ترکیبی ہے جس کے معنی بہادر ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی فتحیابیوں کے وقت یہ خطاب بہادر کا اپنے لئے مقرر کیا .... افغانوں میں ایک قوم عیسیٰ خیل کہلاتی ہے۔ کیا تعجب ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کی ہی اولاد ہوں۔ مگر افسوس کہ افغانوں کی قوم کا تاریخی شیرازہ ہنار درہم برہم ہے اس لئے ان کے قومی تذکروں کے ذریعہ سے کوئی اصلیت پیدا کرنا ہنایت مشکل امر ہے۔"

(روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۶۹، ۷۰)

صفحہ ۵۳ پر آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"واقعی اور سچی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس بد بخت قوم کے ہاتھ سے نجات پا کر جب ملک پنجاب کو اپنی تشریف آوری سے فخر بخشا تو اس ملک میں خدائے تعالیٰ نے ان کو بہت عزت دی اور بنی اسرائیل کی دس قومیں جو گم تھیں اس جگہ آکر ان کو مل گئیں .... چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت میں بعد میں آنے والے کی دعوت کو بھی قبول کرنے کی وصیت تھی اس لئے وہ دس فرقے جو اس ملک میں آکر افغان اور کشمیری کہلائے آخر سب کے سب مسلمان ہوگئے۔"

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو حق و صداقت کی خاطر شدید ترین مصائب اور دکھ برداشت کرنا پڑے۔ اہل مکہ کے روز و شب جاہلانہ رسوم اور بتوں کی پرستش میں گزرتے تھے۔ بے حیائی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ عورتوں اور بچیوں کے سخت انتہائی ظالمانہ سلوک ہوتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو ان بد عادتوں سے منع فرماتے اور نیک نصائح کرتے اور عملی طور پر کمزوروں، غریبوں، بیواؤں، یتیموں اور مظلوموں کی ہر طرح مدد فرماتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مامور فرمایا اور لوگوں کو خدائے واحد کی طرف بلانے کا حکم ہوا تو آپ نے اہل مکہ کو شرک کے خلاف تبلیغ شروع کی اور ایک خدا کی عبادت کرنے کی دعوت دی تو اہل مکہ نے اپنے بتوں کے خلاف وعظ سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف محاذ قائم کرلیا۔ انہیں مکہ والوں میں سے بہت سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدائت دی اور وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت قبول کر لیا۔ پھر ان پر ظلم شروع ہوا۔ ظلم کے یہ واقعات بحد طویل اور تکلیف دہ ہیں۔ اس دور میں غلامی کا رواج تھا۔ بہت سے غلام مسلمان ہوئے تو ان کے مالکوں نے ان پر مظالم کئے تا کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ دیں۔ ان میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضہ بھی ہیں۔ ان کے مالک انہیں تپتی ریت پر لٹا کر اوپر گرم پتھر رکھ دیتے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی پشت انہیں گرم پتھروں پر رگڑ کھا کھا کر حیوانی چمڑوں کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ زنبیرہ نامی ایک لونڈی کو ابو جہل نے اسقدر مارا کہ اس کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ پھر طرح طرح کی گالیاں دی

جاتیں۔ گندی زبان سے مخاطب کیا جاتا خود آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بے حد مظالم ڈھائے جاتے۔ ایک دفعہ نماز پڑھتے ہوئے کسی ظالم نے آپ کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھری رکھ دی۔ پتھر مارے جاتے۔ طائف میں آپ کو پتھر مار مار کر لہو لہان کر دیا گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ کسی ظالم نے گلے میں پھندا ڈال کر اسقدر شدت سے دبایا کہ ان کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔

ہجرت حبشہ

ان مظالم کے مقابلہ میں مسلمان انتہائی صبر اور برداشت کا مظاہرہ کرتے۔ اہل مکہ کے مظالم جب حد کو چھونے لگے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو بلواکر حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا ارشاد فرمایا۔ فرمایا کہ وہاں کا بادشاہ منصف ہے اور تمہیں وہاں امن سے رہنے دے گا۔ چنانچہ بہت سے مسلمان ۵ نبوی کو حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ ان کے لئے یہ لمحات انتہائی تکلیف دہ۔ مکہ کی بستی جہاں وہ پیدا ہوئے زندگی گزاری پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائی ان کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ اہل مکہ کو جب مسلمانوں کے مکہ سے حبشہ کی طرف جانے کا علم ہوا تو انہوں نے مسلمانوں کا تعاقب کیا مگر مسلمان سمندر کے سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ کفار نے اس پر ہی بس نہیں کی بلکہ ایک وفد تشکیل دیا جس کی سربراہی حضر عمرو ابن العاص کے سپرد ہوئی۔ آپ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ یہ وفد شاہ حبشہ سے جا کر ملا اور مسلمانوں کو ان کے ملک سے نکال دینے کا مطالبہ کیا اور شاہ حبشہ جو کہ عیسائی تھا۔ اسے کہا گیا کہ یہ لوگ صرف ہمارے بتوں کے خلاف ہی نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں ان کے عقیدے آپ کے برخلاف ہیں۔ شاہ حبشہ نے معاملے کی تحقیق کی اور اس وفد کو بلوا کر کہا کہ یہ مسلمان یہیں رہیں گے۔ ان کو یہاں سے کوئی نہیں نکال سکتا۔ غرض یہ وفد ناکام واپس مکہ کو لوٹ آیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے ایک منصف اور عادل بادشاہ کی مملکت میں سکون عطا کیا۔

پیچھے رہ جانے والے مسلمان جو مکہ میں رہ رہے تھے ان پر مظالم کا سلسلہ زیادہ شدید ہوگیا۔ یہاں تک اہل مکہ نے مسلمانوں سے ہر طرح کے سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ کر لیا اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند ساتھیوں اور رشتہ داروں کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے۔ یہ مقاطعہ تین سال تک رہا۔ اس تین سال کے مقاطع کے عرصہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے پاس کھانے پینے کی اشیاء بہت کم تھیں اور انتہائی تنگی کے ساتھ وہ وقت گزارا۔ درختوں کے پتے تک کھانے پر مجبور ہوگئے۔ پھر یہ تکلیف دہ وقت بعض مکہ کے شرفاء کی مداخلت سے ختم ہوا۔ لیکن مظالم کا سلسلہ بڑی شدت سے جاری رہا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہاماً ہجرت کی خبر دے دی تھی۔ اہل مدینہ کے بعض لوگوں کو آپ کے دعویٰ کی خبر ملی وہ آپ سے ملے اور آپ کی تبلیغ سے مسلمان ہوگئے۔ انہوں نے مدینہ جا کر وہاں کے لوگوں کو اسلام سے آگاہ کیا اور آنحصور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے اطلاع دی۔ مدینہ کے بہت سے لوگوں نے یہود سے سن رکھا تھا کہ ایک موسیٰ کا مثیل نبی ظاہر ہونے والا ہے۔ چنانچہ بعض لوگ مدینہ سے مکہ گئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو سن کر قبول کر لیا اور پھر کہا کہ وہ نہ بدکاری کریں گے۔ نہ چوری کریں گے، نہ قتل کریں گے۔ اس کے بعد مدینہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام قبول ہوتا چلا گیا۔ اور بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تربیت کی خاطر حضرت معصب رضی اللہ عنہ کو مبلغ بنا کر وہاں بھیجا ان مسلمانوں نے مکہ کے مسلمانوں کو امن دینے کا دعویٰ کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مکہ کے مسلمانوں کے لیے ہجرت کے حالات پیدا فرما دیئے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا ارشاد فرمایا۔ اور

مسلمان ایک خاندان کے بعد دوسرا خاندان مدینہ کی طرف ہجرت کرتا چلاگیا۔ اور مکہ سے مسلمانوں کی تعداد کم ہوتی چلی گئی۔ کفار مکہ کے لئے یہ صورتحال فکر مند تھی۔ خاص طور پر اس لئے بھی کہ اسلام کا پیغام مکہ سے نکل کر دوسرے علاقوں میں پھیلنا شروع ہوگیا ہے۔ آخر میں صرف چند غلام ۔ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت ابو بکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ میں رہ گئے۔ تب روؤسائے مکہ نے فیصلہ کیا کہ اب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے۔ جس رات قتل کئے جانے کا فیصلہ ہوا۔ اس رات آنحضور صلی اللہ نے ہجرت کا فیصلہ کیا تھا۔ آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ جانے کا ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ظالمانہ قتل کے منصوبے سے آپ کو بحفاظت نکال لیا اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم نےاس رات مکہ سے نکل کر مکہ سے چار میل کے فاصلہ پر ثور نامی غار پناہ لی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت نے بھی بہت سے ایمان افروز واقعات کو جنم دیا۔ سب سے پہلے کہ کفار کی تمام تدبیروں کو ملیا میٹ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے خاص حفاظت سے آپ کو مکہ سے نکالا۔ پھر جب آپ نے غار ثور میں پناہ لی تو مکہ کے انتہائی تیز نظر رکھنے والے کھوجی آپ کی تلاش میں نکلے وہ بھی ثور کے مقام تک پہنچ گئے۔ انہوں نے کہا کہ یہاں سے آگے نہیں گئے۔ اللہ تعالیٰ نے خاص تدبیر سے غار کے منہ پر مکڑی کے ذریعہ جالا بنوا دیا اور ایک کبوتری نے انڈے دے دیئے اور یہ بات ان کے لئے رکاوٹ بن گئی کہ غار کے اندر جا کر دیکھ لیں ۔ کیونکہ اگر کوئی اندر گیا ہے تو جالا قائم نہ رہتا اور انڈے ٹوٹ جاتے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ زمین پر اپنے تحدی کی حفاظت کرتا ہے۔ اور زمینی اسباب اور وسائل کو ان کی تائید میں کھڑا کر دیتا ہے۔ دشمن اپنی تمام تدبیروں میں دنیاوی وسائل ہونے کے باوجود نا کام رہتا ہے تمام انبیاء کی ہجرت کے واقعات اسی طرح کی خدائی تائید سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی خدا نے زمین پر رکھ اس کی حفاظت کی اور صلیب کی موت سے بچایا نہ کہ خدا زمین پر اپنے نبی حضرت عیسیٰ کی حفاظت کرنے کی قدرت کھو بیٹھا تھا نعوذ باللہ اور اس وجہ سے ان کے ہم شکل کو صلیب پر مروا دیا اور اصل عیسیٰ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ گویا اس کے علاوہ خدا کے پاس کوئی اور تدبیر نہیں بچی تھی۔

غار ثور پر پہنچے ہوئے کھوجی نے کہا کہ آپ یہاں تک آئے ہیں یا زمین کے اندر چلے گئے ہیں یا آسمان پر اٹھالئے گئے ہیں اس کے علاوہ کہیں اور نہیں گئے۔ کھوجی ناکام واپس لوٹ گئے۔ اہل مکہ نے سو اونٹوں کا لالچ دیا کہ جو کوئی بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر لائے گا اسے سو سرخ اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ بہت سے لوگ انعام کے لالچ میں نکلے ۔ ایک شخص سراقہ بن مالک آپ کی تلاش میں نکلا ایک موقع پر آپ کو دیکھ لیا اور آپ کے تعاقب میں گھوڑے کو تیز دوڑا دیا مگر راستہ میں گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اس نے پھر تعاقب کیا مگر خدا نے گھوڑے کو آگے جانے سے روک دیا اور گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ پر اس نے اپنے تیروں سے فال نکالی وہ فال بھی اس کے خلاف نکلی تب اسے یقین ہوگیا کہ یہ لوگ خدا کی حفاظت میں ہیں اور آواز دے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو روکا اور کہا کہ آپ یقیناً راستباز ہیں اور خدا کی حفاظت میں ہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ ضرور غلبہ عطا کرے گا۔ اور اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ انہیں امن کا پروانہ لکھ دیں۔ سراقہ نے اس وقت اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ایک عظیم الشان پیش گوئی فرمائی اور سراقہ سے کہا اے سراقہ تیرا اس وقت کیا حال ہو گا جب کسریٰ کے کنگن تیرے ہاتھوں میں پہنائے جائیں گے۔ اس وقت ایرانی سلطنت انتہائی طاقتور حکومت تھی اور کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا کہ یہ حکومت ختم ہو گی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس وقت پیش گوئی کے رنگ میں ایرانی سلطنت کے ختم ہونے کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کسریٰ کی حکومت ختم ہوئی اور حضرت عمرؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ پورے کرنے کے لئے سراقہ کو بلوا کر اس کے ہاتھوں میں کنگن پہنائے۔

اس پیشگوئی میں سراقہ کے اس وقت تک زندہ رہنے کی خبر بھی دی جب تک ایرانی سلطنت ختم نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس انتہائی دکھ اور تکلیف کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو آئندہ کی عظیم فتوحات کی خبریں دیں۔ پھر جب آپ مدینہ بخیریت پہنچ گئے تو وہاں کے مسلمانوں نے آپ کے کا پر جوش استقبال کیا۔ وہاں ہر مسلمان کی خواہش تھی کہ آپ ان کے مہمان بنیں۔ آپ نے فرمایا اونٹنی خود جس گھر کے آگے بیٹھ جائے گی میں وہیں ٹھہروں گا۔ اونٹنی مدینہ کے سرے پر بنو نجار کے تتیموں کی زمین پر ٹھہر گئی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا بھی منشاء ہے کہ ہم یہاں ٹھہریں۔ آپ نے ان یتیموں کی زمین خریدنے اور مکان بنانے کا فیصلہ کیا۔ پھر پوچھا کہ قریبی مکان کس کا ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے عرض کی یا یا رسول اللہ میرا گھر ہے؟ فرمایا آپ اپنے گھر میں اوپر کی منزل میں کمرہ تیار کریں ہم وہیں ٹھہریں گے۔ مگر بعد میں اس خیال سے کہ اوپر کی منزل میں ملنے والوں کو تکلیف ہو گی۔ آپ نے نچلی منزل میں قیام کا فیصلہ فرمایا۔

مدینہ میں قیام کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ دشمنوں کی طرف سے بار بار حملے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان جنگوں میں حصہ لینا پڑا۔ پھر وہ وقت آیا جب اللہ تعالیٰ نے مکہ آپ کے قدموں میں ڈال دیا۔ وہ مکہ جہاں سے آپ بے سروسامانی کی حالت میں نکلے تھے۔ اب فاتح کی حیثیت میں اس میں داخل ہوئے اور سب کو امان دی اور سب اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا۔

ہجرت کے واقعات کو خاکسار نے نہایت مختصر الفاظ میں تحریر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اصل مقصد اور مدعا خدا تعالیٰ کا ان ہجرتوں میں جو نظر آتا ہے وہ اپنے انبیاء کی تائید و نصرت ہے۔ ایسا کبھی کسی نبی کے ساتھ نہیں ہوا کہ انہیں ان کی قوم نے نکالا ہو اور وہ نبی خدا کی تائید سے محروم ہوا ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عظیم الشان ترقیات اور فتوحات عطا فرمائیں دشمن کو دنیا کی نظر میں انتہائی طاقتور پیش کرکے اور نبی اور اس کی جماعت کو دنیا کی نظر میں کمزور ترین دکھا کر پھر اس کمزور جماعت کو سب سے طاقتور دشمن پر فتح عطا فرمائی۔ یہ فتح در اصل نیکی اور اخلاق کی فتح ہوئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ !

"کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کے لئے ہجرت نہ ہو۔"

(ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۴۰۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ بعض انبیاء کو خود ہجرت نہیں کرنی پڑی مگر اس کی قوم کو دکھوں اور تکلیفوں سے تنگ آکر اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔

آج جماعت احمدیہ کے افراد کو جو ہجرت کرنی پڑ رہی ہے وہ بھی در اصل اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت اور تعلق کی وجہ سے ہجرت کرنی پڑ رہی ہے۔ احمدیوں پر بعینہ وہی مظالم کئے جا رہے ہیں جو اہل مکہ مسلمانوں پر کرتے تھے۔ اس وقت بھی حکم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی وجہ سے دکھ دیا جاتا تھا آج احمدیوں کو بھی اسی کلمہ سے محبت کی وجہ سے دکھ دیا جاتا ہے۔

اس دور میں بھی مسلمانوں کا سوشل بائیکاٹ کیا گیا۔ آج بھی احمدیوں کے ساتھ سوشل بائیکاٹ کی تاریخ دہرائی گئی اور دہرائی جا رہی ہے۔

اس دور میں بھی مسلمانوں کو صابی کے نام سے کفار پکارتے تھے۔ آج احمدیوں کو بھی نام تبدیل کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

تاریخ اسلام سے ایک ورق

ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ

تحریر ثمینہ باسط طارق

تاریخ انبیاء اس بات پر شاہد ہے کہ خدا کے مامورین اور مرسلین کو اس زمانہ کے انسانوں نے کبھی بھی پھولوں کے ہار لے کر خیر مقدم نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اولاً ان کا انکار کیا گیا ان کو دکھ دیا گیا اور جب ان کی تائید میں خدائی نشان ظاہر ہوئے اور ان کی تعلیم کا حسن انسانی عقل نے محسوس کیا تو کچھ نیک فطرت روحیں ان پر ایمان لے آئیں تو مخالفین انبیاء نے ان کو بھی شدید اذیتیں دیں اور ان سے تمام انسانی حقوق چھین لئے اور عرصہ حیات ان پر تنگ کر دیا گیا بعض ایمان لانے والوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ غرضیکہ مذہب کی تاریخ ہمیشہ ہی جانی ، مالی اور جذبات کی قربانیوں سے مزین ہے۔ خدا تعالیٰ کچھ عرصہ تک تو مخالفین انبیاء اور ظالموں کو ڈھیل دیتا ہے اور مومنین سے قربانیاں لیتا ہے تاکہ دنیا کو علم ہو کہ ایمان کی دولت حاصل کرنے والوں کے لئے یہ والی زندگی کوئی اہمیت نہیں رکھتی ۔ تب وہ قادر و توانا خدا ظالموں کو عبرت ناک سزائیں دیتا ہے اور مومنین باوجود کم مائیگی اور کمزوری کے ترقی کرتے چلے جاتے ہیں طبعاً مومنین کی یہ ترقی مخالفین پر سخت گراں گزرتی ہے اور وہ حسد کی آگ میں جلتے ہوئے مومنین کے لئے مزید مشکلات پیدا کرتے چلے جاتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتا ہے:۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ (یٰسین ۳۱)

"وائے حسرت انسانوں پر کہ جب بھی ان کی طرف کوئی رسول آتا ہے وہ اس کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کا سلوک کرتے ہیں

اور ایک دوسری جگہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مخالفوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ کیا دیکھتے نہیں کہ ان کی مخالفت کے باوجود مومنین دنیا میں کامیابیاں حاصل کرتے چلے جاتے ہیں اور مخالفین کے پاؤں تلے زمین نکلتی چلی جا رہی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْغٰلِبُونَ

یعنی کیا مخالفین انبیاء دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو ان کی ہر طرف سے تنگ کرتے جا رہے ہیں یعنی زمین ان کے پاؤں تلے سے نکلتی چلی جا رہی ہے لیکن پھر بھی وہ سمجھتے ہیں کہ وہ غالب آئیں گے۔

انبیاء اور ان پر ایمان لانے والوں کی تاریخ پر اگر یکجائی سے نظر ڈالی جائے تو ایک مزید بات ہمیں سب میں مشترک دکھائی دیتی ہے اور وہ ہجرت ہے یہ بھی سنت انبیاء اور سنت مومنین ہے کہ جب دنیا کے ایک حصہ میں شدید مشکلات اور مصائب سے مومنین کو سامنا ہو تو وہ اس ملک یا شہر سے ہجرت کر کے دنیا کے کسی دوسرے ملک کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں جہاں وہ آزادی سے اپنے مذہبی فرائض بجا لا سکتے ہیں اور جہاں نہ صرف یہ کہ ان کے بنیادی انسانی حقوق پائمال نہیں کئے جاتے بلکہ اللہ تعالیٰ دین کے علاوہ انہیں دنیاوی نعمتوں سے بھی نوازتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس ساری صورت حال کا نقشہ یوں کھینچتا ہے!

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ
ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ
قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ
جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ
وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾
فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾
۞ وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ
وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ
فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٠﴾

جن لوگوں کو ملائکہ نے اس حالت میں وفات دی کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے وہ ان سے کہیں گے کہ تم کس خیال میں تھے وہ یعنی ہجرت سے گریز کرنے والے جواب میں کہیں گے کہ ہم ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے اس لئے ہجرت نہیں کی وہ فرشتے جواب دیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ پس ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہو گا اور وہ رہنے کے لحاظ سے بہت ہی بری جگہ ہے ۔ ہاں وہ لوگ جو مردوں ، عورتوں اور بچوں میں سے فی الواقع کمزور تھے اور وہ کسی تدبیر کی طاقت نہ رکھتے تھے اور نہ کوئی راہ انہیں نظر آتی تھی ان لوگوں کے متعلق خدا کی بخشش قریب ہے۔ کیونکہ اللہ ہے ہی بہت احسان معاف کرنے والا اور بخشنے والا ۔ اور جو شخص بھی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ ملک میں حفاظت کی بہت سی جگہیں اور فراخی کے سامان پائے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف اپنے گھر سے ہجرت کر کے نکلے پھر اسے موت آ جائے تو سمجھو کہ اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہو چکا اللہ بہت ہی بخشنے والا کو بار بار رحم کرنے والا ہے۔

مذکورہ بالا آیات کریم میں اللہ تعالیٰ نے ہجرت مومنوں کے لئے ایک فریضہ قرار دیا ہے جبکہ وہ مظلومیت کی ایسی حالت میں ہوں کہ نہ تو وہ اپنے مذہبی فرائض ادا کر سکتے ہوں اور نہ ہی بوجہ کمزوری اور ضعف کے اپنے جائز انسانی حقوق کی حفاظت کر سکتے ہوں ایسی صورت میں اگر وہ ایسا موقع پائیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ اس ملک کو ترک کر دیں اور اسے چھوڑ کر دنیا کے کسی دوسرے حصہ کو اپنا وطن ثانی بنائیں۔ اپنے وطن کو ترک کرنا آسان نہیں ہے۔ اپنے رشتہ داروں سے الگ ہونا ۔ اپنی جائیداد ، مکانات اور دوستوں اور احباب کے دائرے سے نکل کر اجنبیوں کے درمیان ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا جن کی زبان اجنبی اور جن کا کلچر، ثقافت، طرز زندگی اجنبی ہو بہت ہی مشکل ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے جو اپنے جذبات ، اموال اور جائداد کی قربانی کر کے ہجرت کرتے ہیں اور ان کی ہجرت میں دنیا کو کوئی ملونی نہیں ہوتی اور وہ صرف اور صرف خدا کی خاطر ہجرت کرتے ہیں ان سے حفاظت اور فراخی کا وعدہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے جان اور اموال کی حفاظت کرے گا۔ انہیں ان چیزوں سے بہت بڑھ کر دے گا جو وہ محض للہ اپنے وطن میں چھوڑ کر آئے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ان کی ہجرت کسی دنیادی مقصد کی خاطر نہ ہو بلکہ صرف خدا کی خاطر ہو۔ تاریخ اسلام میں ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی ہجرت فی سبیل اللہ کی مثالیں نظر آتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعلمین بنا کر بھیجا ۔ آپ نے خدا تعالیٰ سے ماموریت کا حکم پاتے ہی اسلام کی تبلیغ کا آغاز کر دیا اور اولاً اپنے اعزاء و اقرباء کو تبلیغ کی بعد ازاں مکہ کے ہر خاص و عام کو اسلام کا پیغام پہنچایا اس کے ساتھ ہی شدید مخالفت کا آغاز ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی شدید تکذیب اور انکار کے ساتھ ہی صحابہ جو تعداد میں تھوڑے ، کمزور اور بہتے تھے کو ایسی ایسی اذیتیں اور تکالیف دی گئیں جن کا سن کر آج بھی ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شدید حساس دل کے مالک تھے ۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کی تکالیف دیکھی نہ جاتی لیکن آپ کمال ضبط سے کام لیتے ۔ آخر جب کفار مکہ کے ظلم و ستم حد سے گزر گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کے پانچویں سال صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی ایک رحم دل اور انصاف پسند بادشاہ ہے وہ تمہیں امان دے گا۔ چنانچہ سب سے پہلے گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا ایک مختصر سا قافلہ ارض حبشہ کو روانہ ہوا۔ کفار مکہ کو جب معلوم ہوا کہ کچھ مظلومین ان کے چنگل سے نکل گئے ہیں تو ان ظالموں نے ان کا پیچھا کیا لیکن ساحل سمندر تک پہنچے تو معلوم ہوا کہ قافلہ آگے روانہ ہو چکا ہے۔ نجاشی کی حکومت میں عدل و انصاف کا شہرہ تھا۔ مسلمانوں نے یہاں اطمینان کا سانس لیا۔ یہاں وہ اپنے مذہبی فرائض بجا لا سکتے تھے اور ان کی جانیں محفوظ تھیں۔ قریش مکہ کو یہ بات سخت ناگوار تھی کہ کچھ مظلوم مسلمان حبشہ میں امن کی زندگی گزار رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ربیعہ کو بہت سے تحائف دے کر حبشہ بھجوایا۔ اس وفد نے نجاشی کے دربار کے چند امراء پر اثر ڈال کر نجاشی تک رسائی حاصل کی اور کہا کہ ہماری قوم کے کچھ لوگ بھاگ کر آپ کے ملک میں آگئے ہیں۔ انہوں نے ایک ایسا نیا دین ایجاد کیا ہے جو آپ کے مذہب کے بھی خلاف ہے اور ہمارے دین کے بھی خلاف ہے۔ ان سب کو ہمارے حوالے کر دیجئے۔ اس پر مسلمانوں کو نجاشی کے دربار میں بلایا گیا اور نجاشی نے ان سے پوچھا کہ وہ کونسا دین ہے جو تم نے ایجاد کیا ہے اس پر اس مختصر سے قافلہ میں سے حضرت جعفر بن طیار آگے بڑھے اور بادشاہ کے سامنے ایک موثر تقریر کی اور کہا کہ !

" اے بادشاہ! ہم لوگ جاہل تھے بتوں کی پوجتے اور مردار کھاتے تھے بد کاری اور قطع رحم کرتے تھے انسانی حقوق کو پائمال کرتے تھے اور ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ان حالات میں ہم میں خدا نے ایک پیغمبر بھیجا جس کی صداقت ، پاکبازی امانت داری اور خاندان سے ہم سب واقف ہیں ۔ اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا اور ہمیں تعلیم دی کہ ہم بتوں کی پرستش چھوڑ دیں صرف خدائے واحد کی پرستش کریں ، سچ بولیں، امانت داری اور صلہ رحمی کریں ، انسانوں کے حقوق ادا کریں، خونریزی اور حرام باتوں کو چھوڑ دیں ، پاکدامن عورتوں پر الزام نہ لگائیں ، نمازیں پڑھیں ، روزے رکھیں ، زکوۃ دیں، ہم اس پیغمبر پر ایمان لائے اس کی تعلیمات کو قبول کیا شرک چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی اس جرم میں ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی اور ہم کو طرح طرح کی اذیتیں دیتی ہے کہ ان باتوں کو چھوڑ کر پھر گمراہی اختیار کریں۔ "

یہ موثر تقریر سن کر نجاشی نے کہا کہ اگر کلام الہیٰ سے کچھ یاد ہو تو سناؤ ۔ حضرت جعفرؓ نے کا ابتدائی حصہ سنایا۔ اسے سن کر نجاشی اور اس کے درباریوں پر رقت طاری ہو گئی۔ ان آیات کریمہ کو سن کر نجاشی نے کہا " خدا کی قسم یہ کلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ایک ہی چراغ کے دو پر تو ہیں ۔ "

نیز نجاشی نے کفار کے سفیروں کو انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ مظلوم تمہارے حوالے نہیں کئے جا سکتے ۔ عمرو بن العاص نے جب اپنی ناکامی دیکھی تو اس نے ایک اور

چال چلی ۔ دوسرے دن دربار میں جا کر کہا کہ ان مسلمانوں سے پوچھیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کا کیا نظریہ ہے۔ یہ وقت مسلمانوں کی کڑی آزمائش کا تھا کیونکہ قرآن کریم کی تعلیم عیسائیوں کے عقائد کو ہر جگہ رد کر رہی ہے۔ حضرت جعفر بن طیار نے ارادہ کیا کہ چاہے کچھ ہو جائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں وہی عقیدہ بتلائیں گے جو قرآن کا عقیدہ ہے۔ چنانچہ حضرت جعفرؓ نے فرمایا کہ قرآن کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اس کے پیغمبر اور اس کی روح ہیں۔ نجاشی نے یہ سن کر ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ جو کچھ قرآن نے حضرت یحییٰ کے بارہ میں بیان کیا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔ اس کے ساتھ ہی کفار کا قافلہ سفارت ناکام واپس لوٹ گیا۔ مسلمان اگرچہ حبشہ میں ہر طرح آزادی سے رہ رہے تھے لیکن اجنبی ماحول میں وہ تنہائی محسوس کرتے تھے۔ اتنے میں کسی طرح ان کے کانوں تک یہ خبر اڑتی اڑتی پہنچی کہ سارا مکہ مسلمان ہوگیا ہے چنانچہ وہ یہ خبر سن کر واپس مکہ آگئے اور چھپ کر کسی نہ کسی کی امان میں آکر زندگی بسر کرنے لگے ۔کفار مکہ نے حبشہ میں اپنی ناکامی کا بدلہ اس طرح لیا کہ ظلم و تشدد میں مزید بڑھ گئے ۔چنانچہ دوسری مرتبہ مسلمانوں کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا اور ایک ایک دو دو کر کے کچھ مسلمان خاندان خاموشی سے چھپ چھپا کر ارض حبشہ کو ہجرت کرنے لگے۔ اس طرح ارض حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت ہوئی۔ دوسری مرتبہ مہاجرین کا قافلہ نسبتاً بڑا تھا جس میں ۸۲ مرد اور ۲۰ عورتیں تھں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد کفار مکہ نے پہلے سے کھل کر زیادتی شروع کر دی اور اب انہوں نے آنحضر صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کی سکیم تیار کی کیونکہ شدید ظلم و تشدد کے باوجود اسلام کا پیغام پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ خدا تعالیٰ نے ایک دوسری ہجرت کا سامان اس طرح پیدا کیا کہ مدینہ کے دو مشہور قبائل اوس اور خزرج جو مشرک تھے لیکن یہود کے ساتھ ایک لمبا عرصہ رہنے کی بنا پر یہود کی مذہبی کتب سے کچھ واقفیت اور شد بد رکھتے تھے۔ ان کے مدینہ اور اس کے قریبی علاقوں میں بہت سے قلعے تھے اور یہ حج کے لئے مکہ میں آیا کرتے تھے۔ اس سال حج کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کے چند آدمیوں کے سامنے اسلام اور اسلامی تعلیم پیش کی ۔ چنانچہ قبیلہ خزرج کے ۶ آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا اس کے دوسرے سال اسی قبیلہ کے ۱۲ آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا حضرت مصعب بن عمیر ان کے معلم مقرر ہوئے اور مدینہ جا کر ان نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کا انتظام شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ بہت سے لوگ مسلمان ہونے شروع ہوئے اس سلسلہ میں قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہوگئے۔ چنانچہ اس سے اگلے سال حج کے موقعہ پر ۷۲ افراد نے مدینہ سے اسلام قبول کیا۔ مدینہ میں جاں نثار مسلمانوں کی ایک جماعت پیدا ہو چکی تھی جو اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مدینہ ہجرت کی تلقین فرمائی۔ کفار مکہ کی رکاوٹوں کے باوجود آہستہ آہستہ تمام صحابہ مکہ سے مدینہ منتقل ہو گئے ۔ سوائے ان صحابہ کے جو بوجہ ناداری اور غربت کے ہجرت سے معذور تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ تا حال مکہ ہی میں تھے۔ روسائے مکہ نے یہ سکیم بنائی کہ وہ سب مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں۔ چنانچہ ایک رات ان سب نے آپ کے قتل کے ارادے سے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بعض لوگوں کی امانتیں تھیں۔ آپ نے وہ امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کیں اور آدھی رات کو دشمنوں کے محاصرہ میں سے نکل کر حضرت ابو بکر صدیق کے گھر گئے۔ جہاں

سواری وغیرہ پہلے سے تیار تھی اور سفر کا ضروری سامان بھی تیار تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ آپ مکہ سے نکلے ۔ مکہ سے کچھ دور جا کر آنحضور صلعم نے مڑ کر بڑی حسرت سے مکہ کی بستی کو دیکھا اور فرمایا کہ !

" اے مکہ ! تو مجھے ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے مکین مجھے رہنے نہیں دیتے۔ "

چنانچہ آپ نے مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر غار ثور میں پناہ لی کفار کو جب پتہ چلا تو انہوں نے آپ کا تعاقب کیا اور کھوجی ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور کے دہانہ پر پہنچ گیا۔ خدا کی شان کہ ایک مکڑی نے غار کے دہانہ پر جالا بن دیا۔ عرب کے کھوجی اس فن میں ماہر تھے۔ کھوجی نے کہا کہ یا تو محمد اس غار کے اندر ہے یا آسمان پر چلا گیا ہے۔ حضرت ابو بکر جو غار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کھوجیوں کی آواز سن کر گھبرا گئے تو آپ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔

لاتحزن ان اللہ معنا

یعنی غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے۔

آپ تین دن اس غار کے اندر قیام پذیر رہے۔ حضرت ابو بکر کے بیٹے عبد اللہ سارا دن مکہ میں رہتے اور رات کو چھپ کر غار میں آ جاتے اور سارے حالات اور خبروں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع کرتے۔ ایک غلام روزانہ دودھ اور خوراک مہیا کرتا۔ روساء مکہ نے اعلان کر دیا کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضرت ابو بکر کو پکڑ کر لائے گا۔ اسے ۱۰۰ اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ چنانچہ ایک شخص سراقہ بن ہیشم انعام کے لالچ میں اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گیا۔ جب وہ قریب آیا تو اس کا گھوڑا بار بار ٹھوکر کھا کر گرا۔ سراقہ نے اس کو بدشگونی خیال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ آپ سے امان کا طالب ہوا اور اشتہار کے بارہ میں بتایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کے غلام عامر بن فہیرہ سے امان نامہ لکھوا کر دے دیا۔ یہ تحریر حاصل کر کے سراقہ واپس چلا گیا۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ !

" سراقہ سنا اس وقت تیرا کیا حال ہو گا جب قیصر و کسریٰ کے کنگن تیرے ہاتھوں میں پہنائے جائیں گے۔ "

چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں جب غلامان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیصر وکسریٰ کے تاجوں کو اپنے پاؤں تلے روندا تو حضرت عمرؓ نے سراقہ کو بلوا کر اسے قیصر وکسریٰ کے کنگن پہنائے۔

مدینہ کے مسلمانوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر ہو چکی تھی ۔ وہ کئی روز شہر سے باہر نکل کر آپ کا انتظار کرتے رہے اور شام کو مایوس واپس لوٹ جاتے۔ ایک دن وہ واپس ہوئے ہی تھے کہ مدینہ کے ایک یہودی نے ان کو یہ خوشخبری دی کہ جس کا تم انتظار کر رہے تھے وہ آ گیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی لوگ بے تابانہ واپس لوٹے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔ مدینہ سے چند میل دور قباء نامی ایک جگہ پر چند مسلمان خاندان آباد تھے۔ آپ نے پہلی منزل کے طور پر کلثوم بن ہدمؓ کے ہاں ۱۴ دن قیام فرمایا اور ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کی جسکا ذکر قرآن مجید میں مسجد اسس علی التقویٰ کے نام سے ہے ۔ قبا میں آپ کے قیام کی خبر سن کر مدینہ کے انصار مسلمان جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ قبا میں ۱۴ روزہ قیام اور تعمیر مسجد کے بعد آپ مدینہ روانہ ہوئے اور مدینہ سفر کے بنی سالم کے محلہ میں پہلی نماز جمعہ ادا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے سارا مدینہ ٹوٹ پڑا تھا۔ عورتیں

گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر خوشی کے گیت گا رہی تھیں، معصوم لڑکیاں خوشی سے دف بجا کر یہ گیت گا رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ!

مکہ کی پہاڑیوں کے عقب سے ہم مدینہ
والوں پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے۔

مدینہ میں جب آپ داخل ہوئے تو بہت سے لوگ آپ کی میزبانی کا شرف حاصل کرنا چاہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری اونٹنی کو کھلا چھوڑ دو یہ خدا کی طرف سے مامور ہے۔ جہاں یہ رکے گی وہیں میرا قیام ہو گا۔ چنانچہ حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان کے سامنے آپ کی یہ اونٹنی بیٹھ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات مہینہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر قیام فرمایا۔ اسی وقت سے اسلامی کیلنڈر کے سنہ ہجری کا آغاز ہوتا ہے۔ اسلام کے دور اولین میں دو مرتبہ حبشہ کی ہجرت ہوئی اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اسلام کی بعثت ثانیہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قادیان دارالامان سے اپنے عظیم الشان عالمگیر مشن کا آغاز کیا۔ پھر خلافت ثانیہ کے دور میں ہندو پاک کی تقسیم کی وجہ سے قادیان کی بجائے ربوہ دارالہجرت بنا اور تمام اکناف عالم میں اسلام کی تبلیغ بڑے زور و شور سے پھیلی۔

۱۹۷۴ء میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔ ۱۹۸۴ء میں احمدیوں کو ان کے مذہبی فرائض کی ادائیگی سے روک دیا گیا۔ چنانچہ احمدیوں نے پاکستان سے دوسرے ممالک میں ہجرت کرنی شروع کی اور آج جرمنی جو یورپ کا سب سے خوشحال طاقتور گویا کہ یورپ کا دل ہے میں جماعت کے ۳۰ ہزار سے زائد افراد قیام پذیر ہیں۔ یہاں ہمیں ہر طرح کی مذہبی آزادی اور خوشحالی کے سامان میسر ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہماری ہجرت واقعی فی سبیل اللہ ہے یا اس ہجرت کے پس پردہ کوئی دنیاوی مقاصد ہیں۔ اگر ہم نے یورپ کی اس آزادی اور خوشحالی کو غلط رنگ میں استعمال کیا اور محض دنیاوی مقاصد ہی ہمارے پیش نظر ہوئے تو پھر ہجرت کی وہ ساری برکات جو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کی ہیں۔ ان سے محروم ہو جائیں گے۔ اگر ہم نے اپنی حسین احمدی روایات ترک کر دیں، اسلامی تعلیمات پر عمل کو پس پشت ڈالا تو اس کے بد نتائج ہم ہی بھگتیں گے۔ ہماری اولادیں بھی اس کی نحوست کا شکار ہوں گی۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور ہماری اولادوں کو صحیح رنگ میں مہاجر فی سبیل اللہ بننے کی توفیق دے۔

روس کے بارہ میں پیشگوئی

مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جنّ و انس
زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار
وحیٔ حق کی بات ہے ہو کر رہے گی بے خطا
کچھ دنوں کر صبر ہو کر متّقی و بُردبار

(براہینِ احمدیہ حصّہ پنجم صہ ۱۲۰)

"دیکھتا ہوں کہ زارِ رُوس کا سونٹا میرے ہاتھ میں ہے اور ایسا عجیب سیاہ رنگ کا ہے جس طرح انگریزی کارخانوں میں روغنی چیزیں بہت عمدہ اور نفیس بنا کرتی ہیں اور یہ حصّہ اس کا لوہے کا ہے۔ اس سونٹے میں ایک یا دو نالی بندوق کی ہیں لیکن اس ترکیب سے تیار کی ہیں کہ سونٹے میں مخفی ہیں اور جب چاہو تو ان سے کام بھی لے سکتے ہیں۔ بوعلی سینا کے وقت ایک بادشاہ خوازم شاہ جو کہ اپنے عدل کے واسطے مشہور ہے، میں نے دیکھا کہ اس کی تیر کمان میرے ہاتھ میں ہے اور اس بادشاہ اور بوعلی سینا کو بھی اپنے پاس کھڑا ہوا دیکھتا ہوں اور مَیں نے اس تیر سے ایک شیر کو ہلاک کر دیا ہے۔ (تذکرہ صہ ۴۳۰)
مَیں اپنی جماعت کو رشیا کے علاقہ میں ریت کی مانند دیکھتا ہوں۔" (تذکرہ صہ ۸۱۳)

داغِ ہجرت

الحاج مولانا عطاء اللہ کلیم مشنری انچارج جرمنی

اللہ تعالیٰ کی کامل ہدایت کی کتاب قرآن کریم نے بعث بعد الموت کا اس دنیا میں ہونے والے بعض امور سے ثبوت دیا ہے کہ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ قوموں کا بعث کرتا ہے اور ہجرت سے اس بعث کا آغاز ہوتا ہے کیونکہ مومنوں کو کافروں کو جدا کرنا کامل ترقی کے لئے ضروری ہوتا ہے

(تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ ۱۲۱)

اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ العنکبوت کی آیت ۵۷ میں بہت ہی اعلیٰ پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ جہاں فرماتا ہے۔

"یعنی اے میرے مومن بندو! میری زمین وسیع ہے پس تم میری ہی عبادت کرو۔"

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

اس آیت میں بتایا کہ کفار پر عذاب تو ضرور آئے گا لیکن اس وقت انہیں اپنی طاقت اور جتھے پر غرور ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو اپنے زور بازو سے کچل سکتے ہیں۔ سو ہم مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ اگر تمہارا ملک تمہیں امن دینے کے لئے تیار نہیں تو تم غیر ممالک میں نکل جاؤ اور گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ میں پھر کر خدائے واحد کی عبادت قائم کرو اور اگر دیکھو کہ کسی جگہ تمہاری تبلیغ میں روڑے اٹکائے جارہے ہیں تو گھبراؤ نہیں۔ زمین کو خدا تعالیٰ نے بڑا وسیع بنایا ہے تم اس علاقہ کے ساتھ ملتے ہوئے دوسرے علاقوں میں تبلیغ شروع کر دو اور اس بات سے مت ڈرو کہ اگر ہم نے تبلیغ کی تو دنیا ہماری دشمن ہو جائے گی اور وہ ہمیں جانی اور مالی مشکلات میں مبتلا کر دے گی۔ تمہاری جانیں آخر کب تک سلامت رہیں گی۔ ہر انسان نے ایک دن مر کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ پس اگر تم اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے مرگئے تو کیا فائدہ؟ جاؤ اور دنیا کے کناروں پر پھیل جاؤ اور اسلام اور قرآن کی تبلیغ کرو۔ اس جہاد کے دوران اگر تمہیں موت بھی آگئی تو وہ بڑی مبارک موت ہوگی۔ تم شہادت کا مرتبہ حاصل کرو گے اور خدا تعالیٰ کی جنت کے وارث ہو گے۔

آج تک دنیا میں جتنی بھی فاتح قومیں گذری ہیں انہوں نے پہلے اپنے وطنوں کو چھوڑا اور اس کے بعد انہیں فتوحات نصیب ہوئیں۔ عربوں نے اپنے وطن کو چھوڑا۔ ترکوں نے چھوڑا وہ دور دور ممالک میں پھیل گئے۔ اگر وہ اپنے وطنوں کو نہ چھوڑتے تو انہیں فتوحات بھی نصیب نہ ہوتیں اور وہ نئے نئے ملکوں کے وارث نہ بنتے۔ پس اگر مومنوں کو بھی خدا کے دین کی اشاعت کے لئے اپنے وطن چھوڑنے پڑیں تو اس میں کوئی بڑی بات نہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک ہجرت قومی ہوتی ہے اور ایک فردی ہوتی ہے۔ بیشک بعض افراد کی ہجرت قوم کے معیار کو بلند کر دیتی ہے لیکن قومی زندگی اسی صورت میں پیدا ہوتی ہے جب قوم کا ہر فرد خدا تعالیٰ کے دین کے لئے اپنے وطن کو چھوڑنے اور خدا تعالیٰ کی خاطر غیر ممالک میں نکل جانے کے لئے تیار ہو۔ اسی امر کو طرف زیر تفسیر آیت میں توجہ دلائی گئی ہے۔

.... جو قوم ہجرت کے لئے تیار رہتی ہے اور نو آبادی کا شدت سے اشتیاق رکھتی ہے وہ کبھی تباہ نہیں ہوتی .... اس کے یہ معنے ہیں کہ اگر ہجرت کا وقت آئے تو وہ رضا بالقضاء کا نمونہ دکھاتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو فوراً

دوسری جگہ آباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

شہد کی مکھیوں کو دیکھو وہ شہد بناتی ہیں اور بناتی چلی جاتی ہیں لیکن انسان انہیں کھانے نہیں دیتا وہ ان کے نیچے دھواں رکھ کر گرم پانی پھینک کر یا کوئی اور ذریعہ اختیار کر کے ان کا چھ ماہ کا بنایا ہوا شہد اڑا کر لے جاتا ہے ۔ وہ مکھیاں دو منٹ کا بھی انتظار نہیں کرتیں وہ اس جگہ کے چھوڑ دینے کے معاً بعد دوسری جگہ تلاش کر لیتی ہیں اور دوبارہ شہد بنانا شروع کر دیتی ہیں ایک گھنٹہ کے بعد اگر انہیں آکر دیکھو تو وہ قریب ہی کسی دوسری جگہ شہد بنانے میں مشغول ہوں گی۔ بعض دفعہ ان سے سالہا سال تک ایسا کیا جاتا ہے۔

مثلاً پالتو مکھیاں ہوتی ہیں وہ جب بھی شہد بنا لیتی ہیں شہد اڑا لیا جاتا ہے اور انہیں اپنا بنایا ہوا شہد کھانے کا موقعہ نہیں ملتا وہ شہد بناتی ہیں اور لوگ شہد لے جاتے ہیں۔ اگر ایک مکھی شہد بناتی ہے اس لئے کہ لوگ لے جائیں اور اس سے بیماریاں دور ہوں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فیہ شفاء للناس (النحل آیت ۷۰) اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے یا پھر ایک مکھی شہد بناتی ہے اور بناتی چلی جاتی ہے اور لوگ اس کے پاس شہد نہیں رہنے دیتے وہ ہمیشہ اڑا لے جاتے ہیں اور وہ مکھی پھر بھی شہد بنانا نہیں چھوڑتی تو کیا انسان ہی ایسا ضعیف ہے کہ وہ اس طرح مایوس ہو جائے جو شخص اپنی کوشش میں ناکام ہو جانے کے بعد ہمت چھوڑ بیٹھتا ہے وہ آدمی نہیں بلکہ وہ مکھیوں سے بھی بدتر ہے۔

دنیا کی فتح کوئی معمولی چیز نہیں اس کے لئے بڑی بھاری قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے .... پس مومن کا فرض ہے کہ جہاں وہ خدا کے لئے اپنے وطنوں کو خیر باد کہنے کے لئے ہمیشہ تیار رہا کریں وہاں باہر جا کر روحانی نو آبادی قائم کرنے کے اشتیاق کا بھی پورا پورا مظاہرہ کریں کہ ان کا وجود ایک امت کی طرح ہو اور وہ ایک دو کو نہیں بلکہ امت کی امت کو اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل کریں۔"

(تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ ۶۷۵-۶۷۳)

اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود اور مہدی موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ علام الغیوب نے ۱۸/ ستمبر ۱۸۹۴ء کو داغ ہجرت کا الہام فرمایا۔

اس الہام کے سینتالیس سال بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جہاں خوابوں اور کشوف کے ذریعہ ہجرت کے بعض پہلو ظاہر فرمائے وہاں تقسیم ہند کے چھ سال قبل آپ کو ایک رؤیا میں دکھایا کہ آپ قادیان سے فاصلے پر کسی جگہ ہیں اور آپ اس وجہ سے متفکر ہیں کہ قادیان پر حملہ کر دیا گیا ہے۔ خواب میں ہی قادیان کے ہی ایک مکین احمدی شیخ محمد نصیب صاحب حضورؓ کے پاس آتے ہیں اور آپ شیخ صاحب سے دریافت فرماتے ہیں کہ قادیان کی صورت حال کیا ہے۔ شیخ صاحب نے جواب دیا کہ دشمن نے قادیان کے اکثر حصہ پر قبضہ کر لیا ہے تاہم شہر کے مرکزی حصہ (جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر ۔ دو بڑی مسجدیں ، مرکزی ایسوسی ایشن کے دفاتر اور بہشتی مقبرہ ہے) کے باہر ان کو روک کر آگے بڑھنے نہیں دیا گیا۔ اس جواب کے ملنے پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ خواب میں ہی فرماتے ہیں کہ اگر مرکزی حصہ محفوظ ہے تو پھر تمام ہی محفوظ ہے۔

اور فی الوقع ایسا ہی ہوا کہ تقسیم ہند کے موقع پر قادیان کے اکثر حصہ پر غیر مسلموں نے پولیس اور فوج کی کامل امداد سے قبضہ کر لیا تاہم شہر کے مرکزی حصہ کی حدود پر ان کے حملہ کو پسپا کر دیا گیا اور وہ آگے نہ بڑھ سکے۔ بہر حال حضرت اقدس مسیح الموعود علیہ الصلوۃ والسلام کے الہام داغ ہجرت اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کشوف اور خوابوں کے مطابق خلیفہ وقت کو جماعت کے بہت کثیر حصہ کے ساتھ قادیان سے ہجرت کرنی پڑی۔

اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو قادیان سے ہجرت کرنے پر ربوہ مرکز جو عطا فرمایا وہ بھی حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ایک خواب ہی کی بعینہٖ تعبیر تھا۔ چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں۔

" یہ زمین ہم نے پہاڑی ٹیلوں کے درمیان اس لئے خریدی ہے کہ میری رؤیا اس زمین کے متعلق تھی۔ یہ رؤیا دسمبر ۱۹۴۱ء میں دیکھی تھی اور ۲۱ / دسمبر ۱۹۴۱ء کے الفضل میں شائع ہو چکی ہے۔ میں نے اس رؤیا میں دیکھا کہ قادیان پر حملہ ہوا ہے اور ہر قسم کے ہتھیار استعمال کئے جا رہے ہیں مگر مقابلہ کے بعد دشمن غالب آگیا اور ہمیں وہ مقام چھوڑنا پڑا۔ باہر نکل کر ہم حیران ہیں کہ کس جگہ جائیں اور کہاں جا کر اپنی حفاظت کے سامان کریں۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا میں ایک جگہ بتاتا ہوں۔ آپ پہاڑی پر چلیں وہاں اٹلی کے ایک پادری نے گرجا بنایا ہوا ہے اور ساتھ ہی اس نے عمارتیں بھی بنائی ہوئی ہیں جن کو وہ کرایہ پر مسافروں کو دے دیتا ہے وہ مقام سب سے بہتر رہے گا۔ میں ابھی متردد ہی تھا کہ اس جگہ رہائش اختیار کی جائے یا نہ کی جائے کہ ایک شخص نے کہا کہ آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہو گی کیونکہ یہاں مسجد بھی ہے۔ اس نے سمجھا کہ کہیں میں رہائش سے اس لئے انکار کر دوں کہ یہاں مسجد نہیں۔ چنانچہ میں نے کہا اچھا مجھے مسجد دکھاؤ۔ اس نے مسجد دکھائی جو نہایت خوبصورت بنی ہوئی تھی۔ چٹائیاں اور دریاں وغیرہ بھی بچھی ہوئی تھیں اور امام کی جگہ ایک صاف قالین مصلیٰ بچھا ہوا تھا۔ اس پر میں خوش ہوا اور میں نے کہا۔ لو اللہ تعالیٰ نے مسجد بھی دیدی اب ہم اسی جگہ رہیں گے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ باہر سے آئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ بڑی تباہی ہے اور جالندھر کا خاص طور پر نام لیا کہ وہاں بھی بڑی تباہی ہوئی ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہم نیلے گنبد میں داخل ہونے لگے تھے مگر ہمیں وہاں بھی داخل نہیں ہونے دیا گیا۔ اس وقت تو ہم لاہور ہی کا نیلہ گنبد سمجھتے تھے مگر بعد میں غور کرنے پر معلوم ہوا کہ نیلے گنبد سے مراد آسمان تھا اور مطلب یہ تھا کہ کھلے آسمان کے نیچے بھی مسلمانوں کو امن نہیں ملے گا .... اس رؤیا کے مطابق یہ جگہ مرکز کے لئے تجویز کی گئی ہے۔ جب میں قادیان سے آیا تو اس وقت یہاں اتفاقاً چوہدری عزیز احمد صاحب احمدی سب جج حال ایڈوکیٹ لاہور لگے ہوئے تھے۔ میں شیخوپورہ کے متعلق مشورہ کر رہا تھا کہ چوہدری عزیز احمد صاحب میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا میں نے اخبار میں آپ کی اس رنگ کی خواب پڑھی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ چنیوٹ ضلع جھنگ کے قریب دریائے چناب کے پار ایک ایسا ٹکڑا زمین ہے جو اس خواب کے مطابق معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ میں یہاں آیا اور میں نے کہا ٹھیک ہے خواب میں جو میں نے مقام دیکھا تھا اس کے ارد گرد بھی پہاڑی ٹیلے تھے .... اللہ تعالیٰ نے اس رؤیا کے مطابق ہمیں ایک نیا مرکز دے دیا۔ یہاں جس قسم کی مخالفت تھی۔ اس کے لحاظ سے مرکز کا ملنا بھی اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی نصرت کا ایک کھلا ثبوت ہے .... "

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ النحل آیت ۴۲ میں فرماتا ہے۔

" یعنی اور جن لوگوں نے اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا اللہ تعالیٰ کیلئے ہجرت اختیار کی ہمیں اپنی ذات کی قسم ہے کہ ہم انہیں ضرور ہی دنیا میں اچھی جگہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو اور بھی بڑا ہو گا۔ کاش یہ منکر اس حقیقت کو جانتے۔"

حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:۔

" جوں جوں حالات میں تغیر پیدا ہوتا ہے مومن کا ایمان بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ گویا کوئی تغیر اس کے قدم کو سست اور اس کے ایمان کو کمزور نہیں کرتا بلکہ ہر نیا تغیر اس کی طاقت اور قوت کو بڑھانے والا ہوتا ہے۔ ہم اپنی جماعت میں بھی دیکھتے ہیں کہ جب بھی کوئی تغیر پیدا

ہوا اس کے نتیجہ میں ہمیشہ جماعت نے ترقی کی ہے۔ کتنا بڑا صدمہ تھا جو قادیان سے نکلنے پر جماعت کو پہنچا۔ اول تو قادیان کے متعلق ہماری جماعت میں ایک قسم کا شرک پایا جاتا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ ہم نے قادیان سے کبھی نہیں نکلنا۔ اس شرک کے ٹوٹنے پر جماعت کو ایک بڑا دھکا لگا اور کئی کمزور ایمان والے متزلزل ہو گئے۔ بعض لوگ بے شرمی سے اپنے منہ سے تو یہ کہتے تھے کہ احمدیت سچی ہے لیکن ان کے دل کہتے تھے کہ اگر احمدیت سچی ہوتی تو ہم قادیان سے کیوں نکلتے مگر اب دیکھو قادیان سے نکل کر ہماری جماعت کو کتنی بڑی طاقت حاصل ہوئی ہے۔ قادیان میں سالوں بعد کبھی کوئی غیر ملکی آیا کرتا تھا مگر قادیان سے ہجرت کے بعد متواتر کئی ممالک سے لوگوں نے یہاں تعلیم کے لئے آنا شروع کر دیا۔ اب بھی دس بارہ غیر ممالک کے لوگ یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور ابھی کئی لوگوں کی چٹھیاں آتی رہتی ہیں کہ ہمیں بھی وہاں آنے کی اجازت دی جائے مگر بوجہ مالی تنگی کے ان کی درخواستوں کو رد کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح قادیان میں ہمارے بہت تھوڑے مشن تھے مگر اب کئی نئے ممالک میں مبلغین بھجوائے جا چکے ہیں۔ اسی طرح قادیان کے بجٹ سے اب ہمارا یہاں کا بجٹ بھی بڑھ گیا ہے غرض سلسلہ کے تمام کاموں میں جس قدر ترقی اور زیادتی ہوئی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ یہی حقیقت اللہ تعالیٰ نے اس آیت (ویزید اللہ الذین اھتدوا ھدی) میں بیان فرمائی ہے کہ ہم مومنوں کو ترقی دیتے چلے جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ انہیں صدمات نہیں پہنچتے۔ صدمات ان کو بھی پہنچیں گے مگر جس وقت مخالفت کے بادل چھٹیں گے دشمن اسوقت کمزور نظر آئے گا اور مومن پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جائے گا۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم صفحہ ۳۵۰ - ۳۵۱)

یہ تو تھے ہجرت ثانیہ کے متعلق الہام، کشوف اور رؤیا اور پھر اس کے نتیجہ میں جماعت کو جو ترقیات اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوئیں۔ لیکن حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ (جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں حسن و احسان میں آپکا نظیر بلکہ مظہر الحق و العلا کان اللہ نزل من السماء کے عالی القابات سے نوازا گیا) کو اللہ تعالیٰ نے مزید ہجرتوں کی بھی اطلاع دی تھی جو جماعت احمدیہ کو پیش آنے والی تھیں مثلاً آپ نے فرمایا:۔

"ہم اپنی روحانی آنکھوں سے وہ چیز دیکھ رہے ہیں جو دنیا کو نظر نہیں آتی۔ ہم اپنی کمزوریوں کو بھی جانتے ہیں ہم مشکلات کو بھی جانتے ہیں جو ہمارے رستہ میں حائل ہیں ہم مخالفت کے اس اتار چڑھاؤ کو بھی جانتے ہیں جو ہمارے سامنے آنے والا ہے ہم ان قتلوں اور غارتوں کو بھی دیکھ رہے ہیں جو ہمیں پیش آنے والے ہیں ہم ان ہجرتوں کو بھی دیکھ رہے ہیں جو ہماری جماعت کو ایک دن پیش آنے والی ہیں۔ ہم ان جسمانی اور مالی اور سیاسی مشکلات کو بھی دیکھتے ہیں جو ہمارے سامنے رونما ہونے والی ہیں مگر ان سب دھندلکوں میں سے پار ہوتی ہوئی اور ان سب تاریکیوں کے پیچھے ہماری نگاہیں اس اونچے اور بلند تر جھنڈے کو بھی انتہائی شان و شوکت کے ساتھ لہراتا ہوا دیکھ رہی ہیں جس کے نیچے ایک دن ساری دنیا پناہ لینے کے لئے مجبور ہو گی۔ یہ جھنڈا خدا کا ہو گا۔ یہ جھنڈا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہو گا .... یہ سب کچھ ایک دن ضرور ہو کر رہے گا بے شک دنیوی مصائب کے وقت کئی اپنے بھی کہہ اٹھیں گے کہ ہم نے کیا سمجھا تھا اور کیا ہو گیا مگر یہ سب چیزیں مٹتی چلی جائیں گی مٹتی چلی جائیں گی آسمان کا نور ظاہر ہوتا چلا جائے گا اور آخر وہی ہو گا جو خدا نے چاہا وہ نہیں ہو گا جو دنیا نے چاہا۔" (الفضل ۱۲/ مئی ۱۹۴۹ء صفحہ ۵)

لہٰذا ۱۹۸۴ء کی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی پاکستان سے ہجرت حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مندرجہ بالا

بقیہ صفحہ

حضرت خلیفتہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ

کا

واقعہ ہجرت

A MAN OF GOD سے ترجمہ

امتہ الرفیق لبنیٰ سہیل

مختصر حالات زندگی:۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ نے حضرت سیدہ مریم صاحبہؓ سے ۱۹۲۱ء میں شادی کی ۔ حضرت سیدہ مریم صاحبہ کی عمر اس وقت ۱۷ سال تھی اور حضورؓ کی عمر ۳۳ سال تھی ۔ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفتہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ۱۸/ دسمبر ۱۹۲۸ء کو قادیان میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ دن تھا جس دن امرتسر سے قادیان کی طرف پہلی ریلوے ٹرین چلائی گئی۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ ایک تندرست و توانا بچہ تھے۔ آپ کی صحت کی بحالی کی ہر ممکن احتیاط کی۔ آپ ایک خوش باش بچہ تھے۔ مزاح کی حس بہت زیادہ تھی۔ آپ کو فٹ بال کھیلنے کا شوق تھا۔

آپ اپنی والدہ صاحبہؓ کے اکلوتے بیٹے تھے لیکن اس کے باوجود جب کبھی آپ کی والدہ صاحبہؓ کو یہ احساس ہوتا کہ آپ قرآن مجید یا دوسری دینی تعلیم پر توجہ نہیں دے رہے تو وہ بہت ناراض ہوتیں۔ آپ کی والدہ صاحبہ کی ایک شدید خواہش یہ تھی کہ آپ اسلام اور احمدیت میں ایک ستارے کی طرح جگمگائیں۔

۱۹۴۴ء میں جب حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ۱۶ سال کے تھے اور میٹرک کا امتحان ہونے والا تھا ، آپ کی والدہ صاحبہؓ کی وفات ہو گئی۔ حضور نے اپنی والدہ صاحبہؓ کی وفات کو شدت سے محسوس کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں آج تک اس غم ناک منظر کو نہیں بھول سکا۔ یہ منظر میرے ذہن میں آج بھی ویسا ہی واضح اور تازہ ہے جیسے ابھی کل کی بات ہو۔

آپ نے نہ صرف اردو کلاسیکل ادب پڑھا بلکہ انگلش کلاسیکل ادب بھی پڑھنا شروع کیا۔ ساتھ ہی آپ نے شاعری بھی شروع کر دی۔ آپ کی شاعری میں انتہائی درد تھا۔ گرچہ چند مزاحیہ نظمیں بھی آپ نے لکھیں۔

آپ کو اسلام کی حقانیت کے بارے میں کبھی کوئی شک نہیں ہوا۔ لیکن جب آپ مزید بڑے ہوئے تو آپ نے سوچنا شروع کیا کہ کیا واقعی خدا زندہ ہے۔ جس چیز نے آپ کو بہت پریشان کیا وہ یہ تھی کہ اسلام کی بنیاد خدا تعالیٰ کی ذات پر یقین ہے اور اگر کوئی بنیاد ہی نہ ہو تو مذہب محض ایک علمی بحث ہے۔

جب خدا تعالیٰ کے وجود کے بارے میں آپ کے ذہن میں سوالات اٹھنے شروع ہوئے تو آپ فرماتے ہیں کہ اس چیز نے آپ کے وجود کو ہلا دیا اور آپ بے حد خوفزدہ ہو گئے۔ یہ آپ کی زندگی کا مشکل ترین دور تھا۔ آپ نے اس سوال کے بارے میں دعا کرنا شروع کی۔ بعض دفعہ آپ اپنے کمرے میں ساری ساری رات دعا کیا کرتے تھے کہ اے خدا اگر تو زندہ ہے تو میں تیری تلاش میں ہوں۔ تو مجھے بتا کہ تو موجود ہے ورنہ میں بھٹک جاؤں گا پھر مجھے اس کا ذمہ دار نہ ٹھہرانا۔

آپ فرماتے ہیں کہ پھر ایک دفعہ میں ایک ایسے تجربے سے گزرا جس نے ہمیشہ کے لئے وجود باری تعالیٰ کے

مسئلہ کو حل کر دیا۔ میں غنودگی کی حالت میں تھا کہ دیکھا کہ ساری زمین ایک گیند میں بدل گئی ہے۔ جہاں کسی قسم کی کوئی مخلوق نہیں ہے۔ نہ زندگی، نہ شہر، کچھ نہیں ہے۔ صرف زمین ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ دنیا کا ایک ایک ذرہ "ہمارا خدا" کے نعرہ سے گونج اٹھا ہے۔ ہر ذرہ اپنے وجود کا اعلان کر رہا تھا۔ پوری دنیا ایک عجیب نور سے بھر گئی اور زمین کے ہر ایٹم نے ایک ردھم (RYTHUM) میں پھیلنا اور سکڑنا شروع کر دیا۔ میں بھی ان کے ساتھ "ہمارا خدا" کے الفاظ دھرا رہا تھا۔ پھر اس کے بعد مجھے کبھی خدا کے وجود کے بارے میں کوئی شک نہیں ہوا۔

۱۹۵۴ء میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز پہلی دفعہ انگلستان تشریف لائے۔ لنڈن یونیورسٹی سے آپ نے فونیٹکس (PHONETICS) کا کورس پاس کیا۔ ۱۹۵۷ء میں آپ واپس ربوہ تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے وقف جدید میں کام شروع کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کو صدر خدام الاحمدیہ نامزد کیا گیا۔ آپ نے وقف جدید میں بہت محنت اور جانفشانی سے کام کیا۔ آپ صبح ۸ بجے دفتر آتے اور اکثر اوقات رات ۱۰ بجے واپس جاتے اور بعض دفعہ جمعہ کو بھی کام پر جاتے۔

آپ کو کھیلوں کا شوق بھی تھا۔ آپ بیڈمنٹن اور سکواش کھیلتے۔ گھڑسواری اور تیراکی بھی کرتے، شکار بھی کھیلتے۔ آپ اچھا کھانا پکانا جانتے ہیں۔

۱۹۵۷ء میں حضرت سیدہ آصفہ بیگمؒ سے آپ کی شادی ہوئی آپ کی چار صاحبزادیاں شوکت جہاں، فائزہ، مونا، اور طوبیٰ ہیں۔ آپ اپنے بچوں کے ساتھ "پکڑن پکڑائی" کھیلا کرتے، درختوں پر چڑھنے کا مقابلہ کرتے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں ان کے ساتھ کھیلتا تو مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ میں انہی کی عمر کا ہوں۔ اور یہ میرے لئے خوشی اور راحت کا موجب ہوتا۔ آپ نے اپنے فارم پر اپنی بیٹیوں کو تیرنا سکھایا۔ آپ کی بڑی بیٹی دودھ لینے فارم پر آپ کے ساتھ جایا کرتی۔ جب بچے بیمار ہوتے تو اکثر آپ ہی ساری رات ان کی تیمارداری کرتے۔

جون ۱۹۸۲ء میں آپ خلیفہ منتخب ہوئے۔

واقعہ ہجرت

جنرل ضیاء الحق نے ملک سے جمہوریت ختم کر کے اور مارشل لاء لگا کر لوگوں کو دھوکا دیا۔ پوری دنیا اس پر لعنت ملامت کر رہی تھی۔ اس دوران ضیاء نے کوشش کی کہ اپنی غیر قانونی گورنمنٹ کو قانونی بنا سکے۔ اس کے لئے اس نے پاکستان میں فرضی بنیادی اسلامی قوانین نافذ کئے اور مولویوں کی پشت پناہی حاصل کر لی۔ اس طرح اس نے لوگوں کی توجہ اصل مقصد سے ہٹا کر مذہب یا اقلیت کی طرف پھیر دی۔ احمدیوں پر مظالم ڈھائے گئے۔ ان کی دوکانیں جلائی گئیں۔ ان کی مسجدیں شہید کی گئیں کئی احمدی شہید کئے گئے۔ ان حالات میں حضور نے جماعت کو صبر کی تلقین کی۔ لیکن آپ نے اپنے خطبات میں ضیاء الحق کو متنبہ کیا کہ اگر وہ ان مظالم سے باز نہیں آئے گا تو خدا تعالیٰ کی پکڑ آئے گی اور اس کا عذاب دردناک ہو گا۔

جماعت کے بزرگوں نے حضور سے عرض کی کہ ضیاء اپنے مخالفوں پر ظلم اور غصہ کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس لئے جماعت کی خاطر اسے صاف صاف کہنے سے گریز کریں کیونکہ وہ خلیفہ کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ حضور نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ میرا فرض ہے کہ میں ضیاء کی مخالفت کروں۔ خدا ہماری مدد کرے گا اور ہمیں بے سہارا نہیں چھوڑے گا۔

مارچ ۱۹۸۴ء میں امریکن مشن کے ایک آدمی نے حضور سے ملاقات کی خواہش کی اور ظاہر کیا کہ ربوہ کے پاس سے گزرتے ہوئے ملنا چاہتا ہے۔ حضور نے سوچا کہ ملاقات کی کوئی بڑی وجہ تو نہیں ہے پھر بھی حضور نے ملاقات منظور فرمائی۔ وہ امریکن اور یونائیٹڈ سٹیٹس ایمبیسی اسلام آباد کے کچھ افسران فوراً ہی چل پڑے۔

جب بات چیت چل نکلی تو حضور کو یہ احساس ہوا کہ ان لوگوں کو کسی ایسی بات کا علم ہے جسکا اثر بعد میں جماعت پر پڑ سکتا ہے۔ آپ نے ان سے ڈیڑھ گھنٹہ ملاقات کی۔ وہ امریکن حضور سے بہ اصرار یہ سوال پوچھتا تھا کہ اگر گورنمنٹ ایسا ویسا کچھ کر دے تو آپ کا کیا رد عمل ہو گا؟ حضور نے پوچھا " ایسا ویسا سے آپ کی کیا مراد ہے؟ " تو انہوں نے جواب دیا کہ جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ ہر شخص آپ کے سر کی قیمت مانگ رہا ہے۔ اور لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے گورنمنٹ چند اقدام اٹھانے پر مجبور ہو سکتی ہے۔ ایسے حالات میں جماعت احمدیہ کا کیا رد عمل ہو گا۔

حضور نے جواب دیا کہ ہمارا رد عمل ہماری ماضی کی بہترین روایات کے مطابق ہو گا۔ بہر حال اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ کوئی ایسی بات جانتے ہیں اور واشنگٹن رپورٹ بھیجنے سے پہلے وہ میرا رد عمل جاننا چاہتے ہیں۔ لہذا حضور نے اسلام آباد جانے کا فیصلہ کیا تا کہ معلوم کیا جا سکے کہ کیا ہو رہا ہے۔

حضور اسلام آباد میں دو ہفتے قیام کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس دوران آپ نے برٹش، کینیڈین، چائنیز، فرنچ اور کئی دوسری ایمبیسیوں سے رابطے کئے۔ کچھ لوگوں سے آپ نے دفاتر میں ملاقات کی اور کچھ لوگوں سے پرائیویٹ طور پر۔ اس سے آپ نے یہ اندازہ لگایا کہ لازماً کوئی بات ہونے والی ہے لیکن کوئی بھی اسے قطعی طور پر نہیں جانتا تھا۔

دوسری طرف جماعت کے مخالفین کو بسوں یا لاریوں کے ذریعہ اسلام آباد پہنچایا جا رہا تھا۔ اور حضور کی رہائش کے گرد لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہونا شروع ہو گیا تھا۔

پھر حضور کو انٹیلی جنس بیورو کے ایک آفیسر کے ذریعہ جنرل ضیاء کا ایک پیغام ملا کہ علماء بہت شور مچا رہے ہیں لیکن آپ کو فکر نہیں کرنا چاہئیے۔ کچھ سیاستدانوں سے نمٹنے کے بعد وہ علماء کو ان کی جگہ پر رکھیں گے۔ لہذا فکر کی کوئی بات نہیں۔

حضور فرماتے ہیں کہ یہ بہت عجیب قسم کا پیغام تھا اور اگر ضیاء الحق کی طرف سے کبھی کوئی پیغام ملا تو وہ یہی تھا۔ گرچہ بعد میں حضور کی طرف مخبر بھی بھیجے گئے۔ تاہم اس پیغام کا مطلب یہ تھا کہ مجھے اسلام آباد میں ہی رہنا چاہئیے اور اس میں کوئی خطرہ نہیں۔

جس وقت ضیاء کا پیغام آیا عین اسی وقت انٹیلی جنس بیورو کے ایک آفیسر کی طرف سے ایک دوسرا پیغام ملا۔ اس نے حضور کو ذاتی رائے دی کہ حضور کو فوراً اسلام آباد سے چلے جانا چاہئیے۔

دونوں پیغاموں میں تضاد تھا۔ لیکن یہ بات ظاہر تھی کہ وہ آفیسر اس پلان کو کچھ جانتا تھا۔ وہ ایک شریف آدمی تھا اور اس منصوبے میں شامل ہونا نہیں چاہتا تھا۔ پھر حضور کو پولیس انٹیلی جنس میں ایک دوست کی طرف سے ایک ٹیلی فون کال آئی کہ " اسلام آباد فوراً چھوڑ دیں " پھر ایک شخص جو فرنچ ایمبیسی میں تھا اور باقی افراد کی نسبت زیادہ جانتا تھا۔ حضوران سے ان کے گھر پر ملے۔ انہوں نے ڈپلومیٹک انداز سے حضور سے پوچھا کہ " آپ کتنا عرصہ یہاں رہ رہے ہیں؟ " حضور نے فرمایا " دو ہفتے " تو فرنچ کونسلر نے کہا " سال کے اس حصہ میں یہاں کا موسم بالکل خوشگوار نہیں ہے اور مجھے اس پر بالکل شک نہیں کہ آپ جس قدر جلد ممکن ہوا یہاں سے جانا پسند کریں گے۔ " اس ملاقات کے بعد ایک گھنٹہ کے اندر اندر حضور اسلام آباد سے ربوہ تشریف لے آئے۔

۲۶/ اپریل ۱۹۸۴ء بروز اتوار جنرل ضیاء الحق نے ایک آرڈیننس دیا۔ جس کا مقصد قادیانی گروپ اور احمدیوں کی غیر اسلامی کاروائیوں کو روکنا تھا۔ اس آرڈیننس پر فوری عملدرآمد کا حکم تھا اور یہ عدالت کے ہر فیصلے پر حاوی ہو گا۔

ربوہ میں حضور نے اپنے قریبی ساتھیوں کو اکٹھا کیا۔ حضور فرماتے ہیں کہ آپ کو کسی طرح بھی جنرل ضیاء سے خوف نہیں تھا۔ آپ نے اپنے خطبات میں کھلم کھلا اس پر تنقید کی تھی کہ اپنے طریقے اور اپنا رویہ بدل لو۔ اس

ظلم سے باز آ جاؤ ورنہ خدا کے عذاب کے نیچے آؤ گے ۔
لیکن اس آرڈیننس سے ایک مختلف قسم کی صورتحال پیدا ہو گئی تھی۔ حضور فرماتے ہیں!

میری حفاظت خطرہ میں نہیں تھی بلکہ میری بولنے کی طاقت خطرہ میں تھی۔ اس قانون کے ذریعہ جماعت کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے ضیاء مجھے خاموش کروا سکتا تھا۔ میں پاکستان ہی میں رہ سکتا تھا لیکن جب بھی بولتا مجھے جیل بھیج دیا جاتا تھا۔ جب میں باہر آتا دوبارہ بولتا اور دوبارہ تین سال کے لئے جیل بھیج دیا جاتا ۔
جماعت احمدیہ میں ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے خلیفہ کو نہیں چنا جا سکتا ، بے شک پہلے خلیفہ نظر بند ہوں اور ان سے کسی صورت میں رابطہ نہ ہو سکتا ہو۔ پس اس کا مطلب یہ ہوتا کہ یہ جماعت سر براہ کے بغیر ہوتی۔

خلیفہ کو خدا تعالیٰ کی راہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ وہ اپنے فیصلہ کے اختیارات ایک کمیٹی کو نہیں سونپ سکتا۔ کچھ فیصلے لازماً خلیفہ کو بھی کرنے ہوتے ہیں اور وہ فیصلہ آخری ہوتا ہے اور اگر وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکے تو حالات خطرناک بھی ہو سکتے ہیں۔
حضور کے ساتھیوں کی متفقہ رائے یہ تھی کہ آپ کو فوراً پاکستان چھوڑ دینا چاہئیے۔ حضور نے امراء اور دوسرے ساتھیوں کے مشورہ کو قبول فرمایا کہ آپ کو پاکستان چھوڑ دینا چاہئیے ۔ لیکن ایک شرط کے ساتھ ! کہ جب ملک چھوڑیں گے تو اس وقت تک آپ کی گرفتاری کے وارنٹ جاری نہیں ہوئے ہوں گے اور کوئی سرکاری نوٹس آپ کو نہیں ملا ہو گا کہ آپ کسی کمشن کے سامنے کسی منسوب کردہ جرم کے سلسلہ میں حاضر ہوں۔ اگر اس قسم کے کوئی وارنٹ جاری ہوئے تو پھر آپ ملک نہیں چھوڑیں گے ۔ حضور فرماتے ہیں :۔

اگر براہ راست نہیں تو افواہوں کے ذریعہ سے بھی ان حالات میں میری روانگی لوگوں کو خلافت پر الزام لگانے کا موقع دے گی۔ یہ کہا جائے گا کہ میں کسی قسم کے جرم میں مبتلا تھا اس لئے یہاں سے چلا گیا۔ مجھے اس بات کا خدشہ تھا اور اس وجہ سے میں نہیں چاہتا تھا کہ ایسے ہو ۔"

جماعت کو آپ کی حفاظت کی خاطر جو قیمت ادا کرنی پڑتی وہ بہت ہی زیادہ ہوتی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی امراء نے اس فیصلہ کو قبول کیا۔ آپ کی روانگی کی تیاریاں ایک ریٹائرڈ سینئر آرمی آفیسر کے سپرد کی گئیں ۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضور KLM ڈچ ایئر لائن کے ذریعہ روانہ ہوں گے۔ جس پر عموماً سفر کرتے ہیں۔ ٹیلیفون پر سیٹیں ریزرو کروانے کے بجائے ایک شخص سیٹیں بک کروانے کراچی بھجوایا گیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کی فون کی لائنوں پر ٹیپ لگائی گئی ہے اور ساری گفتگو ریکارڈ کی جائے گی۔
اس ہفتہ کراچی سے یورپ کی طرف KLM کی دو فلائٹیں جاتی تھیں۔ ایک ۳۰ / اپریل بروز سوموار صبح کو اور دوسری ۲ / مئی بروز بدھ تھی۔ حضور کا خیال تھا کہ وہ بدھ کی فلائیٹ لیں گے کیونکہ اسطرح آپ کو روانگی کی تیاری کے لئے زیادہ وقت مل جائے گا لیکن جب وہ شخص واپس آیا تو اس نے کہا کہ KLM کا مینجر چاہتا ہے کہ آپ سوموار کی صبح کی فلائیٹ لیں۔ بدھ کی فلائیٹ پر کافی سیٹیں مل سکتی تھیں لیکن KLM کے مینجر نے کہا کہ وہ یقین دلاتا ہے کہ سوموار کی فلائیٹ میں ۶ سیٹیں مل سکتی ہیں۔ اس نے اس بات کی وجہ نہ بتائی۔ بہر حال ان کے مشورہ کو مان لیا گیا۔
اگر پاکستان کی گورنمنٹ حضور کے نام سے ہوشیار کر دیتی کہ حضور بحیثیت مجرم درکار ہیں تو یہ ممکن ہو سکتا تھا کہ آپ کو گلف سٹیٹ اتار لیا جاتا اور گرفتار کر لیا جاتا۔

اس جماعت کا ہیڈ کوارٹر ربوہ جنرل ضیاء کی طرف سے پانچ مختلف قسم کی سکیورٹی ایجنسیوں کی وجہ سے سخت حراست میں تھا اس نے ربوہ میں اور ربوہ سے باہر سب راستوں پر پہرہ لگایا ہوا تھا۔ ان کا کھوج لگانا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ آرمی کا ایک گروپ فقیروں کے بھیس میں تھا لیکن تاریخ میں غالباً فقیروں کا یہی ایک گروپ ہو گا جنھوں نے آرمی کے بوٹ پہنے ہوئے تھے۔

حضور نے تاکید کی کہ ان کی روانگی کے بارے میں کوئی جھوٹ یا منافقت نہیں ہو گی۔ نہ تو آپ کا بھیس بدلا جائے گا اور نہ ہی غلط پاسپورٹ استعمال کیا جائے گا۔ تا ہم اگر ضیاء کی ایجنسیوں نے غلط نتیجہ اخذ کیا تو یہ ان کا معاملہ ہے۔

صبح ، فجر کی نماز کے فوراً بعد حضور کی گاڑی نے ربوہ چھوڑا۔ ایک شخص سفید اچکن اور سفید پگڑی پہنے ہوئے جو کہ حضور کا عام لباس ہے، گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

حضور کی گاڑی کی حفاظت معمول کی تھی۔ ایک گاڑی آگے اور دو پیچھے۔ ان کے ذاتی محافظ جنھیں انٹیلی جنس ایجنسیاں اچھی طرح جانتی ہیں۔ ان گاڑیوں کے اندر بیٹھے تھے۔

ربوہ میں احمدیوں نے یہ سوچا کہ حضور اسلام آباد تشریف لے جا رہے ہیں جو تقریباً دو سو کلو میٹر دور ہے اور خیال پانچ میں سے چار انٹیلی جنس ایجنسیوں کا بھی یہی تھا جو ربوہ میں پہرہ دے رہی تھیں۔ انہوں نے رپورٹ کی کہ حضور اسلام آباد کے راستہ پر ہیں۔ آپ کے محافظوں کا تعاقب کیا جا رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ کاریں جو آپ کے محافظوں کا تعاقب کر رہی تھیں انہوں نے رپورٹ کی کہ حضور سیدھے اسلام آباد براستہ پنڈی نہیں جا رہے۔ یوں لگتا ہے کہ وہ جہلم جا رہے ہیں جہاں ان کے کزن منیر احمد کی چپ بورڈ کی فیکٹری ہے۔

جہلم اسلام آباد سے مشرق کی طرف ۷۰ کلو میٹر ہے۔ یہ سوچا گیا کہ جیسا کہ حضور بالعموم ٹھہرتے ہیں اب بھی وہ ایک رات اپنے کزن کے گھر ٹھہریں گے اور اگلے دن اسلام آباد روانہ ہوں گے۔

اگر وہ سیدھے پنڈی یا اسلام آباد کی طرف جاتے تو گورنمنٹ سرکاری طور پر اپنے کچھ آدمی آپ سے ملنے کے لئے بھیج دیتی۔

لیکن یہ حضور نہیں تھے جو مرسیڈیز کے پیچھے بیٹھے تھے بلکہ آپ کے تیسرے بڑے بھائی صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب تھے۔

اس روانگی سے تین گھنٹے پہلے دو بجے صبح جب بالکل اندھیرا تھا دو دوسری گاڑیوں نے ربوہ چھوڑا۔ انہوں نے ایک چھوٹی سڑک کو لیا جو لالیاں جاتی تھی پھر جھنگ کی طرف اور آخر بڑی ہائی وے پر جا ملتی جو کراچی جاتی تھی اور کراچی ۵۰۰ کلو میٹر تھا۔ پہلی گاڑی میں حضور کی سکیورٹی کے محافظ تھے اور دوسری گاڑی میں حضور تھے۔ ریٹائرڈ آرمی آفیسر نے تاکید کی تھی کہ حضور کی روانگی کے فیصلہ کے بارے میں صرف ان لوگوں کو بتانا چاہئیے جن کو بتانا از حد ضروری ہے اور آپ کی روانگی کی تفاصیل اس سے بھی کم لوگوں کو بتانی چاہئیں ۔ حتیٰ کہ وہ بھی جن سے آپ کی روانگی کے بارہ میں مشورہ لیا گیا تھا اور آپ کے خاندان کے بہت سے لوگ بھی آپ کی روانگی کے فیصلے کو نہیں جانتے تھے۔ یہ اعتماد کا سوال نہیں تھا بلکہ ریٹائرڈ آرمی آفیسر نے تاکید کی تھی کہ یہ صرف سکیورٹی کی وجہ سے ہے ۔ اگر لوگ نہیں جانیں گے تو ان کے منہ سے اتفاقاً بھی کوئی بات نہیں نکلے گی۔

حضور نے بعد میں بتایا کہ خدا تعالیٰ نے فیصلہ کے کچھ ہی دیر کے بعد دو آدمیوں کو بتا دیا تھا کہ کب اور کیسے روانگی ہو گی۔ درمیان میں صرف دو دن کا وقفہ تھا۔ ایک بزرگ احمدی مکرم عثمان چاؤ صاحب کی طرف سے ایک خط انہیں ملا ۔ مکرم چاؤ صاحب نے ایک خواب دیکھا جسے وہ خود نہ سمجھ سکے لیکن انہیں یہ یقین تھا کہ اس میں حضور کے لئے کوئی پیغام ہے۔ انہوں نے لکھا کہ !

" میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور کی گاڑی اسلام آباد کے لئے روانہ ہونے ہی والی تھی کہ وہ وہاں سلام کرنے پہنچے۔ لیکن جب انہوں نے ایک طرف کی کھڑکی میں دیکھا تو گاڑی خالی تھی۔ انہوں نے لکھا کہ میں حیران رہ گیا اور چیخ پڑا کہ حضور جا رہے ہیں اور ان کی گاڑی جا رہی ہے لیکن وہ گاڑی میں نہیں ہیں۔" پھر ایک آواز نے مجھے بتایا کہ حضور ایک اور گاڑی میں روانہ ہو چکے ہیں اور یہ کہ آپ باہر کے ملک تشریف لے گئے ہیں۔ پس میں گاڑی کے ساتھ ہو لیا اور بجائے سیدھا اسلام آباد جانے کے ہم جہلم گئے جہاں یہ ایک رات ٹھہری۔"

یہ وہ خواب تھا جو مکرم عثمان چاؤ صاحب نے ایک خط میں لکھا۔ اس میں وہ خفیہ پلان لکھا ہوا تھا جس کے بارے میں چند گھنٹے پہلے فیصلہ کیا گیا تھا۔ حضور فرماتے ہیں کہ پھر مجھے پتہ چل گیا کہ پلان کامیاب ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا ہے۔ پس مجھے اس کی کامیابی کے بارے میں مطلقاً خوف نہیں تھا۔ دوسرا شخص جسے حضور کی روانگی کے بارے میں پیغام ملا وہ حضور کی صاحبزادی فائزہ تھیں۔ اگرچہ اس وقت اس پیغام کو نہ حضور نے اور نہ ہی آپ کی صاحبزادی نے سراہا۔ وہ اس وقت ۲۳ سال کی تھیں۔ خاندان میں کوئی بھی حضور کی فوری روانگی کو نہیں جانتا تھا۔ لیکن آپ کی روانگی سے ایک دن پہلے صاحبزادی فائزہ نے کشمکش کی حالت میں اپنا خواب بتایا جو انہوں نے ایک رات پہلے دیکھا تھا۔

انہوں نے ایک سنسان سڑک پر دو گاڑیاں دیکھیں اور اگرچہ وہ حضور کے روزمرہ استعمال کی گاڑی نہ تھی لیکن وہ جانتی تھیں کہ حضور ان گاڑیوں میں ہیں اور کسی سفر پر روانہ ہو رہے ہیں۔ دونوں گاڑیاں ایک ایسی جگہ پہنچ کر آہستہ ہو گئیں جہاں ایسا لگتا تھا جیسے سڑک کی مرمت ہو رہی ہے۔ وہاں کوئی کام نہیں ہو رہا تھا اور کوئی مزدور نظر نہیں آتا تھا۔ صرف پتھروں کے ڈھیر تھے جن کی وجہ سے گاڑی مجبوراً آہستہ کرنا پڑی۔ جیسے ہی انہوں نے ایسا کیا دیکھا کہ ایکدم کچھ فقیر ان کی طرف آ رہے ہیں۔ صاحبزادی صاحبہ کو ان کے چہرے اچھے نہ لگے اور بہت ہی خوفزدہ ہو گئیں۔ پھر دیکھا کہ اچانک سامنے والی گاڑی سے ایک ہاتھ باہر نکلا اور ایک روپے کے نوٹ پھینکنے شروع کئے۔ بہت سے فقیر ان کے لئے بھاگے اور گاڑیاں پتھروں کے ڈھیروں سے گزرتی ہوئی کراچی کی طرف جانے والی مین روڈ پر چڑھ گئیں۔"

حضور فرماتے ہیں کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ لالیاں اور جھنگ کے درمیان کچھ راستہ ایسا ہے جہاں سیلاب کا پانی سڑک کا بہت سا حصہ بہا کر لے گیا ہے۔ ان کی مرمت تو ہو رہی تھی لیکن بہت آہستہ۔ آرمی انٹیلی جنس گروپ نے سڑک پر اس قدرتی رکاوٹ کا فائدہ اٹھایا اور فقیروں کے بھیس میں اپنا فوجی دستہ وہاں لگایا۔

حضور اور ان کے محافظوں کی دونوں گاڑیاں آہستہ ہوئیں اور وہ جنہیں فقیر کہنا چاہئیے ان میں سے کچھ صرف گاؤن پہنے ہوئے تھے۔ لیکن سب بہت صحتمند نظر آ رہے تھے اور سب نے آرمی بوٹ پہنے ہوئے تھے۔ فقیر دوسری کار کی طرف آ رہے تھے اور اس بات کا لازماً پتہ چل جاتا کہ ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر کون بیٹھا ہے کہ اچانک پہلے والی گاڑی میں سے حضور کے سکیورٹی سٹاف میں سے ایک نے اپنی کھڑکی کھولی اور مٹھی بھر کر ایک

روپے کے نوٹ باہر پھینک دیئے۔ فقیر انہیں اٹھانے کے لئے آگے بھاگے اور حضور کی گاڑی پتھروں پر چلتی آگے بڑھ گئی۔ آہستہ آہستہ رفتار بڑھی اور اپنے راستہ پر چلی گئی۔ چند فقیروں نے سڑک پر پھینکی گئی رقم کی طرف توجہ نہ دی بلکہ بڑی توجہ سے گاڑی میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔

اس دن بعد میں آرمی انٹیلی جنس یونٹ نے رپورٹ پیش کی کہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضور کو ایک کار میں دیکھا گیا تھا جو جھنگ کی طرف جا رہی تھی اور ہو سکتا ہے کہ آپ کراچی جا رہے ہوں۔ لیکن رپورٹ کو نظر انداز کر دیا گیا کیونکہ دوسری چار انٹیلی جنس ایجنسیوں نے حقائق پر مبنی رپورٹ دی تھی کہ حضور اور ان کا حفاظتی عملہ اسلام آباد کی طرف جا رہے ہیں اور جہلم میں اپنے کزن کے گھر ایک رات قیام کیا ہے۔

KLM کی ایمسٹرڈم کے لئے فلائیٹ صبح ۲ بجے تھی۔ ائیر پورٹ تک ۷۵۰ کلو میٹر کا فاصلہ بغیر کسی مشکل کے کٹ گیا گرچہ سکیورٹی سٹاف سارا راستہ پریشان رہا۔

راستے میں وہ ایک چھوٹی سی دکان پر رکے جہاں سے وہ چائے اور کچھ کھانے کی چیزیں خرید سکتے۔ حضور کے ڈرائیور نے اس دکان کے ساتھ ہی گاڑی کھڑی کی اور کہا کہ وہ چائے اور کھانا وغیرہ خود حضور کے لئے لائے گا کیونکہ حضور بہت آسانی سے پہچانے جا سکتے تھے۔ حضور نے اس بات کی پرواہ نہ کی۔ وہ شخص جو کیفے ٹیریا چلاتا تھا آپ اسے اچھی طرح جانتے تھے۔ آپ خلافت سے پہلے اکثر وہاں رکا کرتے تھے۔ اس لئے آپ گاڑی سے باہر تشریف لائے اور چائے پیتے ہوئے کیفے ٹیریا کے مالک سے تبادلہ خیال کیا۔ پھر دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہوگئے۔

ائیر پورٹ پر آپ کو پرائیویٹ کمرہ میں لے جایا گیا اور جہاز کے اڑنے سے ایک گھنٹہ پہلے حضور نے پاسپورٹ چیک کروایا۔ پھر آپ نے بورڈنگ کے لئے کال کا انتظار کیا۔ کال نہ آئی۔ اس کے بجائے یہ اعلان ہوا کہ روانگی میں تاخیر ہو گی۔ حضور اپنے پرائیویٹ کمرے میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا گیا۔ KLM کے مینجر نے انہیں یقین دلایا تھا کہ جہاز وقت پر اڑے گا۔ اب وہ آیا تو اس نے کہا کہ تاخیر کی ذمہ دار ائیر پورٹ اتھارٹیز ہیں۔ انہوں نے جہاز کے اڑنے کی اجازت نہیں دی۔

حضور بیٹھے انتظار کرتے رہے۔ آپ کی بیگم صاحبہؒ اور آپ کے محافظوں نے اپنی پریشانی کو چھپانے کی کوشش کی۔ آپ کی دو چھوٹی صاحبزادیاں سو گئیں کیونکہ وہ اتنی چھوٹی تھی کہ سمجھ بھی نہیں سکتی تھیں کہ کیا ہو رہا ہے۔

مقررہ وقت کے ایک گھنٹہ کے بعد فلائیٹ کی روانگی کا اعلان ہوا۔ حضور ایدہ اللہ تعالی بنصرہ العزیز، آپ کی بیگم صاحبہؒ آپ کی دو صاحبزادیاں مکرم چوہدری حمید نصر اللہ خان صاحب امیر جماعت لاہور اور ریٹائرڈ آرمی آفیسر ایمسٹرڈم جانے والی آٹھ گھنٹہ کی فلائیٹ میں بیٹھ گئے۔

اس میں کوئی شخص نہیں تھا جسکی وجہ سے تاخیر ہوتی۔ یہ تاخیر حضور کی موجودگی کی وجہ سے تھی۔ لیکن کافی مہینوں کے بعد یہ پتہ چلا کہ حضور گرفتاری کے کس قدر نزدیک تھے۔ پاسپورٹ آفیسرز کے سامنے ایک خط تھا جو براہ راست جنرل ضیاء کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ!

" مرزا ناصر احمد جو اپنے آپ کو جماعت احمدیہ کا خلیفہ کہتا ہے کو ملک چھوڑنے کی اجازت نہیں۔"

جنرل ضیاء کا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے اکثر رابطہ رہتا تھا۔ پس اس نے اتفاقی حکم نامے پر چوتھے خلیفہ کی بجائے غلطی سے ان کا نام مرزا ناصر احمد لکھ دیا۔

اس نے خلیفۃ المسیح الثالث رحمۃ اللہ علیہ پر ملک چھوڑنے کا بین لگایا تھا جنہیں وفات پائے دو سال ہو چکے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالی بنصرہ العزیز کے پاسپورٹ پر واضح لکھا ہوا تھا کہ ان کا نام مرزا طاہر

احمدیہ ہے اور یہ کہ آپ جماعت احمدیہ کے سربراہ ہیں۔
اس گھنٹے کے دوران جبکہ وہ انتظار کر رہے تھے، پاسپورٹ کنٹرولر نے کوشش کی کہ کسی طرح اسلام آباد کسی سے رابطہ ہو سکے جو اس الجھن کو دور کر سکے لیکن صبح کے دو بجے کوئی بھی ایسا نہ مل سکا جو اس مسئلہ کو حل کر سکتا۔

یہ خیال کیا گیا کہ یہ یقیناً OUT OF DATE آرڈر ہے۔ بہر حال جو بھی ہوتا، سرکاری طور پر یہ معلومات تھیں کہ حضور اسلام آباد کی طرف جا رہے ہیں۔
آخر کار جہاز اڑنے کی اجازت دے دی گئی۔

۳ بجے صبح مکرم عطاء المجیب راشد صاحب امام مسجد فضل لنڈن کو ان کے اپارٹمنٹ میں ایک ٹیلی فون کال آئی۔ مکرم عطاء المجیب صاحب نے اسے اٹھایا " تیار ہو جائیں " ٹیلی فون سے آواز آئی۔ " میں تیار ہوں لیکن کس لئے۔ " مکرم عطاء المجیب صاحب نے کہا۔ انہوں نے فون پر مکرم مسعود احمد صاحب وکیل التبشیر ربوہ کی آواز کو پہچان لیا تھا۔
مکرم مسعود احمد صاحب نے انہیں بتایا کہ ۴ گھنٹے پہلے حضور پاکستان چھوڑ چکے ہیں۔ انہوں نے لنڈن فون کرنے سے پہلے اس بات کا یقین کر لیا تھا کہ جہاز یورپ کے نزدیک ہے۔
مکرم عطاء المجیب صاحب کہتے ہیں کہ وہ جذبات پہ قابو نہ رکھ سکے۔ ان کی اہلیہ نے ان سے پوچھا کہ خدا نخواستہ کیا معاملہ ہے۔ لیکن انہیں جواب دینے سے پہلے وہ حضور کے بخیریت بچ کر نکل آنے پر خدا کے آگے جھک گئے۔

انگلستان میں جماعت کے اعلیٰ عہدیداران کو فون کیا گیا اور صبح ۴.۳۰ پر مسجد میں ایک ایمرجنسی میٹنگ رکھی گئی۔
اسی دوران انکی اہلیہ نے حضور کی تشریف آوری کے لئے اپارٹمنٹ کی صفائی وغیرہ شروع کر دی۔ انہوں نے بستر کی چادروں میں اپنے کپڑے اور چیزیں وغیرہ ڈالیں اور ان کی گٹھڑیاں بنا دیں۔ ایسا ہی دفتر میں ہوا۔

ہالینڈ میں بھی جماعت کے کارکنوں کو فون کیا اور حضور کی اچانک آمد کے متعلق بتایا۔ پھر یہ خبر آئی کہ حضور ہالینڈ اتر چکے ہیں اور اگلی فلائیٹ سے لنڈن تشریف لائیں گے۔
حضور تقریباً ساڑھے بارہ بجے مسجد لندن تشریف لائے جہاں ۳۰۰ احمدی آپ کا استقبال کرنے جمع ہوئے تھے۔
حضور کے کپڑوں پر سلوٹیں تھیں، آنکھیں سرخ تھیں اور چہرے پر تھکاوٹ کے آثار تھے۔ لیکن آپ نماز ظہر ادا کرنے سیدھے مسجد گئے۔ آپ کی آواز بیٹھی ہوئی تھی۔ جس کی بعد میں آپ نے وضاحت فرمائی کہ ربوہ میں لاؤڈ سپیکر بند ہو جانے کی وجہ سے بہت اونچی آواز میں بولنا پڑتا تھا۔
اسی دوران مکرم کاہلوں صاحب کے بہنوئی ایک کشمکش میں مبتلا تھے۔ کیونکہ انہیں ایک ٹیلیکس ملا جو اسی وقت بھیجا گیا تھا جب حضور کا جہاز ایمسٹرڈم ائیر پورٹ پر اترا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ!

> آپ کا ضروری سامان جو ایمسٹرڈم بھیجا گیا تھا بحفاظت پہنچ گیا ہے۔ جلد ہی لنڈن پہنچ جائے گا۔

ان کے بہنوئی اس پیغام کو نہ سمجھ سکے۔ اس کے متعلق دفتر میں پوچھ گچھ کرنے کے بعد انہوں نے اپنی اہلیہ کو فون کیا۔ " میں سمجھ نہیں سکا کہ تمہارے بھائی کس چیز کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے ایک ٹیلیکس بھیجا ہے کہ ضروری سامان پہنچ گیا ہے۔ لیکن کوئی بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ کیا تم نے انہیں کوئی چیز بھجنی تھی۔ " ان کی اہلیہ نے کہا " نہیں " پھر کچھ ٹھہر کر کہا کہ حضور کے پاکستان چھوڑنے کی باتیں سنی ہیں اور مشورہ دیا کہ یہ ٹیلیکس امیر صاحب کے پاس لے جائیں۔
یہ وہ خبر تھی جس کے بارے میں وہ چند لوگ جو اس راز کو جانتے تھے اس خبر کا انتظار کر رہے تھے۔ اور پھر فوراً ہی یہ خبر سارے ربوہ میں اور پھر پاکستان کے سب احمدیوں کو پہنچا دی گئی۔

حضور کے پاکستان چھوڑنے کی خبر نے ضیاء کو غصہ سے وحشی بنا دیا۔ کراچی میں ایمیگریشن ڈیپارٹمنٹ کے اعلیٰ افسران کو معطل کر دیا گیا۔ ہر طرف پوچھ گچھ کی گئی۔ ضیاء غصہ میں تھا کہ یقیناً کوئی سازش کی گئی ہے ، اور وہ لوگ جو اس کے ذمہ دار ہیں انہیں اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

جس دن حضور سلامتی سے پاکستان سے نکلے اسی دن جبکہ جھنگ ڈسٹرکٹ کے سینئر پولیس آفیسر اور ان کا ایک دوست اپنے دفتر میں بیٹھے تھے کہ اسلام آباد سے ایک ڈائریکٹ ٹیلی فون کال آئی اور انہیں کہا گیا کہ وہ صدر پاکستان سے بات کریں۔ ان کے دوست کو ضیاء کی آواز صاف آرہی تھی ۔ ضیاء نے کہا

" مرزا طاہر احمد کہاں ہیں ؟ انہیں فوراً لازماً حاضر کرو " ان کے دوست نے بعد میں بتایا کہ پولیس آفیسر واضح طور پر کانپ رہا تھا۔ جناب ! مجھے کچھ پتہ نہیں " ضیاء غصہ میں پھٹ پڑا " اس کا کیا مطلب ہے کہ تمہیں کچھ پتہ نہیں۔ تم ذمہ دار ہو ۔ وہ تمہارے ضلع میں ہے۔ تمہیں پتہ لگے بغیر وہ کیوں کہیں چلا گیا ہے۔ میں تمہیں ذمہ دار ٹھہراتا ہوں۔ اسے فوراً لازماً حاضر کرو۔

اعلیٰ پولیس آفیسر جس قدر نرمی سے جواب دے سکتے تھے دیا کہ وہ حضور کے ٹھکانے کا پتہ لگانے کے لئے ابھی انکوائری کرواتا ہے۔ اس کے جواب میں ضیاء نے کئی منٹ تک دھمکیوں اور گالیوں کی ایک لمبی تقریر کی ۔ انگلستان میں پاکستان ایمبیسی کے ہیڈ آف سیکورٹی نے ایک سابقہ ایمبیسڈر کو فون کیا کہ کیا وہ جانتے ہیں کہ جماعت کے سربراہ کہاں ہیں۔ سابقہ ایمبیسڈر نے ان کے سوال کے جواب میں فوراً سوال کیا کہ " آپ مجھ سے یہ کیوں پوچھ رہے ہیں ۔ "

ایمبیسی کے ہیڈ آف سیکورٹی نے کہا کہ انہیں پاکستان سے ایک رپورٹ ملی ہے کہ حضور نے خفیہ طور پر پاکستان چھوڑ دیا ہے۔ اور سوئیٹزر لینڈ میں ہیں۔ لیکن سوئیٹزر لینڈ میں پتہ کیا تو پتہ چلا کہ وہاں تو ان کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ پھر سابقہ ایمبیسڈر نے جواب دیا کہ حضور نے ایک عام مسافر کی حیثیت سے نارمل فلائیٹ پر پاکستان چھوڑا ہے اور اب وہ لندن میں ہیں۔

حضور کے سلامت نکل جانے کی خبر ساری دنیا نے شہہ سرخی کی خبر بنا کر لگائی۔ پاکستان اور انڈیا میں احمدیوں نے آپ کے سلامت بچ نکلنے کی خبر اور مستقبل کے پروگرام کے بارے میں BBC ورلڈ سروس سے انگلش اور اردو نشریات میں ۱۲ منٹ کا انٹرویو سنا۔ ضیاء کو امید تھی کہ وہ احمدیت کی تحریک کو بند کر دے گا۔

اس کے بجائے اس نے اسے بہت بڑا موقع فراہم کیا۔ لنڈن پوری دنیا میں چوراہا کی حیثیت رکھتا ہے۔ لنڈن سے حضور کو یہ موقع ملا ہے کہ جماعت کو اس کے مقصد، یعنی پوری دنیا میں اسلام پھیلانے میں جماعت کی رہنمائی کر سکیں۔

بعد ازاں حضور نے فرمایا " خدا تعالیٰ کے حیرت انگیز طریقے ہیں " یہ یقین کیا جاتا ہے کہ حضور صرف ۱۲ گھنٹے پہلے گرفتار ہونے سے بچ گئے۔ آپ کے سلامت نکل جانے کی خبر جاننے سے پہلے پنجاب کے گورنر نے ایک فون کیا اور پیغام دیا کہ حضور ان کے آفس لاہور میں فوراً پہنچیں۔ اگر آپ ایسا کرتے تو آپ کو گرفتار کر لیا جاتا۔

میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ
تکبر سے بچو، تکبر ہمارے خداوند
ذوالجلال کی آنکھوں میں سخت مکروہ ہے

زینت حمید صاحبہ
صدر لجنہ اماء اللہ جرمنی

ہجرت کی برکات

قرآن کریم میں ارشاد باری ہے۔

ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مرٰغماً کثیر و سعۃ - ومن یخرج من بیتہ مھاجر الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ وکان اللہ غفور الرحیما۔

" یعنی اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ ملت میں حفاظت کی بہت سی جگہیں اور فراخی کے سامان پائے گا۔ اور جو شخص اللہ کے رسول کی طرف اپنے گھر سے ہجرت کر کے نکلے پھر اسے موت آ جائے تو (سمجھو کہ) اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

(سورۃ النساء آیت ۱۰۱)

" ہجرت " بظاہر ایک چھوٹا سا چار حرفی لفظ ہے اور اوپر دی گئی عربی عبارت سے واضح ہے کہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اور معنوی اعتبار سے وطن چھوڑ کر دوسرے وطن جانے کا نام ہجرت ہے۔ لیکن یہ لفظ اپنے اندر ایک تاریخ سمیٹے ہوئے ہے۔ یعنی برسوں پر حاوی ہے۔ اور عملی لحاظ سے باعث برکت ہے۔ جیسا کہ اوپر دی گئی آیت سے واضح ہے۔

" ہجرت " کے کئی پہلو ہیں یعنی دینی و دنیاوی ، انفرادی و اجتماعی ، حصول علم کی غرض سے ، حصول رزق کی غرض سے ، بغرض علاج روحانی و جسمانی ہر دو علاج۔

ہجرت خواہ کسی بھی غرض سے کی گئی ہو۔ ہجرت ہے۔ یہ نبیوں کی سنت رہی ہے۔ قرآن کریم کھول کر دیکھیں نبیوں کو کبھی دشمنوں نے ہجرت پر مجبور کیا۔ کبھی دوستوں نے ، کبھی اپنوں نے کبھی پرایوں نے لیکن نبیوں کی ہجرت انجام کار ان کی کامیابیوں کی کلید بنی۔

نبی اور اللہ کے رسول تو ہمیشہ آزمائے گئے اور کامیاب ہوئے لیکن اس دنیا نے بادشاہوں ، حاکموں اور وزیروں کو بھی نہ بخشا ان کو تو جان بچانے کے لئے ملک سے خفیہ طور پر روپوش ہونا پڑا اور دوسرے ملک میں جا کر پناہ لینا پڑی۔ اچھے وقت کے انتظار میں کئی تو موت کی آغوش میں جا پہنچے اور کئی ثابت قدم رہے۔ لیکن ہمیں اس قسم کی ہجرت سے یہاں کوئی سروکار نہیں یہ تو بات چل نکلی تو یہاں تک پہنچی۔

جماعت احمدیہ کے لئے وہ دن تاریخ میں ہمیشہ کے لئے لکھ دیا گیا اور ناقابل فراموش اور بہت تکلیف کا باعث تھا جب امام وقت کو دین حق کی عالمگیر اشاعت اور خدمت کے لئے ملک بدر ہونا پڑا۔ وقت بہترین مرہم ہے۔ گو اہل پاکستان اور خاص طور پر اہل ربوہ کے لئے آج بھی یہ جدائی شاق ہے۔ آج بھی وہ چشم براہ ہیں ، آج بھی وہ اس تاریخی دن کے منتظر ہیں جب ان کے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع وطن میں رونق افروز ہوں گے۔ بلا شبہ اہل پاکستان کے لئے وہ دن عید کا دن ہو گا۔ لیکن اس ہجرت نے ثابت کیا کہ یہ ہجرت تائید ایزدی لئے ہوتے تھی۔ اور اس ہجرت میں ایک گہرا راز پوشیدہ تھا۔ جو آج اہل دنیا پر کھل چکا ہے۔ احمدیت یعنی حقیقی اسلام نے جو ترقی پیارے آقا کے لندن قیام کے دوران کی ہے وہ پاکستان رہتے ہوئے ناممکن تھی۔ آج یورپ و امریکہ ، افریقہ و ایشیاء میں اسلام کے نور کی کرنیں یوں پھیل رہی ہیں کہ سورج کو چندھیا رہی ہیں۔ اور اہل یورپ پر آج علم و حکمت کے وہ دروازے کھل رہے ہیں جو صدیوں سے زنگ آلود اور اسلام کی غلط تصویر پیش کرنے والوں کے ہاتھوں بند ہو چکے تھے۔ اور آج

عیسائیت لرزہ بر اندام ہے ۔ جب خدا کے حکم اس کے فضل و احسان بکھیرتا ہے تو عیسائی منہ چھپانے کو مجبور ہو جاتے ہیں۔

آج جب دنیا کے کونے کونے سے شمع ھدیٰ کے پروانے سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں ایک ہاتھ پر بیعت کر کے فیضیاب ہوتے ہیں نادان دشمن پیچ و تاب کھانے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا۔

آج جب مسلم ٹی وی احمدیہ عالمگیر ایک وقت میں دنیا کے کونے کونے میں پہنچ کر ازالہ اوہام کر رہا ہے ، سچائی کے طالبوں کو سچ فراہم کر رہا ہے ، روحانی و جسمانی شفا کے منتظروں کو ہر دو طرح کی شفا عطا کر رہا ہے ، آج جب سچ کا جادو سرچڑھ کر بول رہا ہے۔ آج جب جھوٹ پاؤں پھیلانے تو درکنار رکھنے کو جگہ نہیں پا رہا تو اہل دنیا پر تو جو بھی واضح ہوا ہو۔ اہل اسلام پر اور بہت سی وجوہات کے ساتھ ساتھ یہ وجہ بھی واضح ہے کہ یہ ہجرت کی برکات ہیں۔

اب جبکہ ہم پر ہجرت کی برکات کے صرف چند پہلو آشکار ہوئے تو ہم نے بھی تو ہجرت کی ہے یعنی جرمنی میں پاکستانیوں کی ہجرت ۔ آج جرمنی جو پیارے آقا کا محبوب نظر ہے۔ جو قربانیوں کی ایسی مثالیں پیش کر رہا ہے جو صرف اہل اللہ کو ہی نصیب ہوتی ہیں آج سے کچھ سال قبل جرمنی میں احمدی شاید سو یا چند سو ہوں۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے جرمنی میں دیگر احمدی قوموں کی نسبت سب سے زیادہ پاکستانی احمدی مہاجر بن کر آئے۔ اور آج یورپ میں بلاشبہ سب سے زیادہ پاکستانی احمدی جرمنی میں ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ ان کے نیک اعمال کو ضائع نہیں کرے گا۔ اگر وہ گناہ کر کے توبہ کریں گے تو ان کی توبہ کو قبول کرے گا۔ یعنی گناہ پر گناہ کرتے جائیں اور توبہ پر توبہ تو اللہ تعالیٰ تواب الرحیم ہے توبہ قبول کرے گا۔ اور اس وقت تک موت نہ دے گا جب تک اہل ایمان میں شامل نہ ہو جائے۔

یعنی توبہ کا دروازہ انسان کے لئے تادم مرگ کھلا ہے۔

آج ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں کہ ہماری ہجرت کیوں عمل میں آئی اور ہم نے ہجرت کے بعد کیا کچھ کیا۔

بے شک ہم میں سے اکثر نہیں تو بعض کی ہجرت محض للہ اور وطن میں جبس اور آزادی نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ حضور اقدس نے فرمایا۔

جبس کیسا ہے میرے وطن میں جہاں
پاء بہ زنجیر ہیں ساری آزادیاں
ہے فقط ایک رستہ جو آزاد ہے
یورش سیل اشک رواں کے لئے

اور آج ان کی خدمات اور ان کی اس قربانی کے بدلے ہی جرمنی میں جماعت دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔ لیکن ہم اگر دین کی خاطر مہاجر نہیں ہوئے۔ گو ہماری غرض دنیاوی یا ذاتی یا تلاش رزق یا جستجوئے راحت ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن ہمیں ہرگز نہیں بھولنا چاہئیے کہ ہمارا تعلق اس جماعت سے ہے جس کو قرآن کریم میں واضح طور پر اعلیٰ درجہ کی امت قرار دیا گیا ہے۔ جن کا کام لوگوں کو راہ ہدایت کی طرف بلانا اور بدیوں سے روکنا ہے۔ وہ لوگ جو صرف دنیا کے ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے۔

" ان کے لئے ایک مقررہ مدت تک اس
دنیا کی لذتیں مقدر کر دی گئی ہیں لیکن
آخرت میں ان کا ٹھکانہ نہایت ہی برا

خدا نہ کرے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس آیت کا مصداق ہو۔ ہم سب وہ ہیں جو خدا کے حکم پر لبیک کہتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر قربانی کے لئے تیار رہتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس جہاں کی لذتیں ، عیش و عشرت عارضی ہیں۔ جب ہم پر سب باتیں واضح ہیں اور حقیقت عیاں ہے اور خلیفہ وقت ہمیں تمام وہ گر بتا رہے ہیں جو خدا کے قریب لے جا سکتے ہیں تو آئیے اپنا جائزہ لیں کہ ہم میں سے کتنے ہیں جو اس جماعت سے وابستہ ہونے کے

دعویدار ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اقوال، افعال اور کردار میں اس دعویٰ پر پورے اترتے ہیں۔ احمدیت یعنی حقیقی اسلام سو سے کچھ اوپر سال اس بات پر گواہ ہیں کہ اس جماعت کی کچھ خوبیاں ایسی ہیں جو ان کو دوسری تمام قوموں میں ممتاز کرتی ہیں۔

۱۔ حسن خلق ۲۔ خدمت خلق ۳۔ قربانی مال و جان ۴۔ نظام جماعت سے وابستگی ۵۔ اطاعت امام۔

اسلام کی ترقی کا راز حبل اللہ کو تھام لینے اور ایک آواز پر لبیک کہنے پر ہے۔ تاریخ اسلام کے اوراق پلٹ لیں گذشتہ تاریخ اس بات کی گواہی دے گی۔ جب بھی مسلمانوں نے اتحاد باہمی سے کام لیا وہ دنیا پر چھا گئی اور جب ان میں پھوٹ پڑی دنیا ان پر چھا گئی۔ آج ہم سب اس نقطہ کو سمجھ چکے ہیں اور پوری دنیا میں لاکھوں احمدی صرف ایک ہاتھ تلے اکٹھے ہیں اور خلافت کی برکات سمیٹ رہے ہیں۔

آئیے دیکھیں کیا ہمارا اخلاق ایسا ہے کہ لوگ چونک جائیں وہ مڑ کر دیکھنے پر تو مجبور ہو جائیں۔ اور دوبارہ ملنے کے مواقع ڈھونڈیں۔ بار بار ملیں اور آخر اقرار کریں کہ واقعی ہمارا تعلق کسی ماورا جماعت سے ہے۔ وہ ہم میں شامل ہوں یا نہ ہوں جہاں بھی کہیں جائیں کسی بھی مجلس میں ہوں ہمارا ذکر کریں۔ اگر نہیں تو اپنا جائزہ ضرور لیں۔ شاید ہم اپنی اس روایت کو بھلا چکے ہوں یا کسی وقتی جذبہ کے تحت یہ خوبی مدھم پڑ گئی ہو۔ ہمیں ایسا بننا ہو گا۔ خواہ کتنی ریاضت کیوں نہ کرنی پڑے۔ خواہ کتنی مشکل کیوں نہ ہو۔ ہم میں سے ہر ایک کو حسن خلق میں طاق ہونا ہو گا۔

کیا ہم خدمت خلق کے اس جذبہ سے سرشار ہیں جو ہمارے آباؤ اجداد کا خاصہ رہا ہے۔ مشکلات میں، بیماری میں، ضعیفی میں، بازاروں میں، گلیوں میں، گھروں میں سرکاری محکموں میں، ہسپتالوں میں جہاں بھی موقع ملے خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچائیں کیونکہ جو اللہ کے ہو جاتے ہیں وہ تکلیفوں میں بھی لذت پاتے ہیں۔

آئیے دیکھیں کیا ہمارا اخلاق ایسا ہے۔ خدمت دین بھی ایک نشہ ہے۔ جو لوگ خدمت دین کرتے ہیں ان کو احساس بھی نہیں ہوتا ان کا وقت کیسے گذرا۔ دن اور رات خدمت دین میں مصروف، چاک و چوبند اور تندرست توانا، پر سکون، مطمئین اور جذبہ محبت و الفت سے سرشار اور خدا کے بندوں کے لئے دن رات مصروف عمل۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> تبلیغ دین و رشد و ہدایت کے کام پر
> مائل رہے تمہاری طبیعت خدا کرے

خدا کرے کہ ہم سب کی طبیعتیں اس طرف مائل ہوں۔ پھر ہم دیکھیں خدا کی قدرت کے قدم قدم اعجاز۔

مالی قربانی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب اپنی وفات کی اطلاع خدا تعالیٰ سے پا کر رسالہ الوصیت لکھتے ہوئے "بہشتی مقبرہ" کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس کی بنیاد رکھنی چاہی اور اپنی جیب سے ۱۰۰ روپیہ اس مد میں ادا کیا۔ اس کام کی وسعت و ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

> میں جانتا ہوں کہ اس کام کے لئے بڑی رقم درکار ہو گی۔ اور مجھے نہیں معلوم یہ رقم کہاں سے آئے گی لیکن خدا کا فیصلہ ہے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچے گا۔

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ تحریک جدید کی بنیاد رکھتے وقت اس کی وسعتوں کو دور تک دیکھ رہے تھے۔ لیکن یہ خبر نہیں تھی کہ پیسہ کہاں سے آئے گا۔ لیکن خدا پر بھروسہ تھا اور جماعت کی بے مثال قربانیوں کا علم۔ سو یہ دونوں شعبے آج وسیع سے وسیع تر ہوتے جا رہے ہیں۔ حضور اقدس یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا مجھے یہ غم نہیں کہ

پیسہ کہاں سے آئے گا مجھے یہ فکر ہے کہ اس جماعت کو ایماندار دیانتدار امین مل جائیں۔ جو اس رقم کو سنبھال سکیں۔ آج ہمارے پیارے آقا بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ جماعت ایسی بے مثال ہے کہ ایک حکم کرنے پر سب کچھ حاضر کر دیتے ہیں اور جماعت جرمنی ان جماعتوں میں شامل ہے جو مالی قربانی میں سر فہرست ہیں۔ لیکن کیا اس قربانی میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ ہم میں سے کچھ لوگ مالی قربانی کرتے ہوئے بوجھ محسوس کرتے ہیں اور ان کو گمان ہوتا ہے کہ شاید وہ ہی سب کچھ کر رہے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

> یہ دنیا کی زندگی محض ایک کھیل اور غفلت کا سامان ہے اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تمہارے اجر تم کو دے گا۔ اور وہ تمہارے مال تم سے مانگے اور (اس پر) تم سے اصرار کرے تو تم بخل سے کام لے سکتے ہو۔ وہ ضرور تمہارے کینے تمہارے دلوں سے نکال دے گا۔
>
> سنو! تم وہ لوگ ہو جن کو اس لئے بلایا جاتا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور تم میں سے بعض ایسے ہیں جو بخل سے کام لیتے ہیں اور جو بھی بخل سے کام لے وہ اپنی جانوں کے متعلق بخل سے کام لیتا ہے۔ ورنہ اللہ بے نیاز ہے۔ اور تم ہی محتاج ہو اور اگر تم پھر جاؤ تو وہ تمہاری جگہ ایک اور قوم کو بدل کر لے آئے گا۔ اور وہ تمہاری طرح سستی کرنے والے نہیں ہوں گے۔
>
> (سورۃ محمد آیت ۳۷ تا ۳۹)

ان آیات مبارکہ سے واضح ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے اموال کا محتاج نہیں اگر ہم کچھ اس کی راہ میں خرچ کریں گے تو نفع پانے والی قوم ہوں گے وگرنہ خسارہ پائیں گے۔ پس ہم سب کو ہر وقت مالی قربانی کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ قربانی سے مطلب وہ چیز جو نہ ہو محدود نہ ہو محدود ہو یا پیاری ہو خدا کی راہ میں دے دینا۔ جیسے عورتیں اپنے زیورات اللہ کی راہ میں دیتی ہیں تو وہ اپنی پیاری چیز خدا کی راہ میں دیتی ہیں۔ پس قربانی کا مطلب سمجھتے ہوئے محدود ہو اور اس میں سے دیں تو اصل قربانی ہے۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو اپنے مالوں میں سے اچھا ٹکڑا کاٹ کر اپنی راہ میں دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ کیونکہ یہی اگلے جہاں میں ہمارے لئے بہتر ہو گا۔ اور جماعت کی قلیل یا کچھ تعداد اگر قربانی کا حق ادا کر کے خلیفہ وقت کی نظر میں سرخرو ہے تو ساری جماعت بھی اس میں شامل ہو جائے تو خدا تعالیٰ ہم پر روحانی ترقیات کے دروازے کھول دے گا۔

نظام جماعت سے وابستگی اور اطاعت امام

ایک بہت پرانی اور چھوٹی سی لیکن کار آمد کہانی ہے کہ ایک کسان یا شاید کوئی اور جب بستر مرگ پر تھا تو اس کا خیال آیا کہ اپنے بیٹوں کو کوئی ایسی نصیحت کر جائے جوان کو ہمیشہ ملائے رکھے۔ لہذا اس نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا ایک جھاڑو لاؤ۔ بچے جھاڑو لے آئے تو اس نے کہا اس کو توڑو۔ چاروں بیٹوں نے باری باری کوشش کی لیکن اس جھاڑو کو توڑ نہ سکے۔ اب اس شخص نے کہا اس میں سے ایک تنکا نکالو اور اس کو توڑو۔ تو تنکا ٹوٹ گیا۔ اس باپ نے اپنے بیٹوں کو زندگی کا بہترین درس دیا۔ اور تاحیات کار آمد نسخہ۔ یعنی اگر تم مل کر باہم اس جھاڑو کی طرح رہو گے تو تم کو کوئی توڑ نہ سکے گا لیکن اگر تم بکھر گئے تو دنیا کے ہاتھوں ٹوٹ جاؤ گے۔ نظام جماعت سے وابستگی اور تعلق بھی ہماری بقا کا واحد ذریعہ ہے۔ اگر ہم نظام جماعت سے الگ ہوتے ہیں تو جماعت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ لیکن اگر ہم اجتماعیت قوت سے الگ ہو کر اپنی انفرادی طاقت کو پہنچتے ہیں۔ ہمیں

عسر یسر تنگی ، خوشحالی ہر حال میں خود کو جماعت سے وابستہ رکھنا چاہئیے کیونکہ بقول شاعر!

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

وہ موج جو دریا میں بڑے جوش و خروش سے اچھل رہی ہوتی ہے دریا میں دوسری موجوں کے ساتھ مل کر وہ جہازوں کو ڈبو دیتی ہے جب دریا سے اچھل کر باہر آتی ہے تو جھاگ کی مانند بیٹھ جاتی ہے۔ پس ہماری انفرادی ترقی کامیابی کا راز خواہ دینی ہو یا دنیاوی ذاتی ہو جماعتی جماعت اور نظام جماعت سے وابستگی میں ہے۔ کچھ لوگ محض ذاتی رنجشوں باہمی تعلقات میں خرابی اور آپس کے جھگڑوں کو پیش خیمہ بنا کر نظام جماعت سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کی نظام جماعت سے علیحدگی یا دوری شاید جماعت کے لئے نقصان کا باعث ہو گی۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ خدا تعالیٰ کی جماعت افراد کی محتاج نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم سب جماعت کے محتاج اور جماعت ہماری ضرورت ہے۔ پس اپنا اور اپنے ارد گرد کا جائزہ لیں۔ اگر اپنے کسی بہن بھائی کو کسی غلطی یا غلط فہمی کی بناء پر ایسا پائیں تو اس کو قریب لانے کی کوشش کریں تا وہ بہک کر بھٹک اتنی دور نہ نکل جائے کہ دوبارہ واپس نہ آسکے اور اپنی اور اپنی نسلوں کی تباہی کا موجب بنے۔

امام جماعت یعنی خلیفہ وقت حقیقت یہ ہے کہ آج ہم اپنے پیارے امام سے روحانی طور پر اس طرح وابستہ ہیں کہ دوری کا سوچ ہی نہیں سکتے۔ اور پیارے حضور کی حکم عدولی کا ہم تصور ہی نہیں کر سکتے۔ لیکن آئیے آج ہم دیکھیں کہ ہم دانستہ یا نادانستہ ایسے کام تو نہیں کر رہے جو اطاعت امام کی خلاف ورزی میں شامل ہوں۔ اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولوالامر اطاعت کرو اللہ کی رسول کی اور ان کی جو تم پر مقرر کئے گئے ہیں۔ ہم اگر اطاعت امام کے دعویدار ہیں تو ہمیں سوچنا ہو گا کہ ہمارے پیارے امام کے نمائندوں کی اطاعت بھی ہم پر واجب ہے۔ لیکن بعض اوقات ہم مستقل ایسے کام اور بات کر رہے ہوتے ہیں جو سراسر اس کے خلاف ہے۔ ہمیں اپنے اوپر مقرر کئے گئے عہدیدار صدر یا سکرٹری پر اعتراض ہوتا ہے۔ ہمارے خیال کے مطابق وہ اس عہدہ کے اہل نہیں وجہ خواہ کچھ بھی ہو۔ لیکن یہ سراسر اوپر دی گئی آیت کی خلاف ورزی ہے۔ کیونکہ حدیث مبارکہ میں اسلام میں اطاعت کا بلند معیار یوں بیان ہوا ہے۔ کہ تم پر جو حاکم مقرر کیا گیا ہے اس کی اطاعت تم پر واجب ہے۔ خواہ تمہارے خیال میں اس کا سر منقے کے دانے کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی وہ تمہارے نزدیک کم عقل ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا حکم سننا اور اس پر عمل کرنا تم پر فرض ہے۔ اس وقت تک جب تک کہ وہ تمہیں کسی ایسے کام کا حکم دے جس میں خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی آتی ہو یا اعلیٰ حکام کے حکم کی خلاف ورزی۔ اگر اس حدیث مبارکہ کو اپنے ذہنوں میں رکھتے ہوئے ہم اپنے اوپر مقرر کئے گئے عہدیداروں کا احترام اور اطاعت کریں تو ایک بہترین فضا اور تعاون کی بہترین مثال قائم ہو جائے۔ اور آج جرمنی سب سے زیادہ اس مسئلے سے دوچار ہے۔ اگر ہم سب اپنا جائزہ لیں اپنے اندر تمام خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کریں اور نو مباعین کو ہم جیسے مبلغ دائرہ اسلام میں داخل کرنے والے ہوں تو مستقبل میں فدائین کی ایک بہترین جماعت قائم ہو سکتی ہے۔ اور پھر ہم نے ہجرت خواہ کسی بھی مقصد سے کی ہو۔ خدا تعالیٰ ہم سے راضی ہو گا۔ اور ہجرت کی برکتوں یعنی بہترین جگہوں اور فراخی کے حقدار کہلائیں گے۔ خدا کرے کہ ہم میں ہر ایک اپنا محاسبہ کر کے اپنی اپنی کمزوری کو دور کرنے کی کوشش کرے اور جماعت جرمنی ایک بہترین اور بے مثال جماعت ہو خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

بقیہ صفحہ

ہجرت کے بعد جرمنی سے اہل ربوہ کے نام خط

پھولوں سے بہاروں سے کہہ دیں ربوہ کے نظاروں سے کہہ دیں
راہوں سے پہاڑوں سے کہہ دیں دریا کے کناروں سے کہہ دیں
مٹی سے زمین سے پانی سے پانی کے فواروں سے کہہ دیں
جو ہاتھ سے اپنے بوئے تھے ان سبزہ زاروں سے کہہ دیں
نہ بھولے ہیں نہ بھولیں گے ہم تیرے دستر خوانوں کو
ان لنگر خانوں سے کہہ دیں ان گول بازاروں سے کہہ دیں
آئے گی بالآخر تو اک دن آواز ہمارے کانوں میں
پابند اذانوں سے کہہ دیں اقصیٰ کے مناروں سے کہہ دیں
یہ کشتی نوح اور غار حرا موسیٰ کا عصا ہیں مشعل راہ
جینے کی تمنا سے کہہ دیں تنکوں کے سہاروں سے کہہ دیں
ہم نے تو جلانی ہیں شمعیں قسمت میں ہمارے ہے جب تک
سونا ہے تو جا کر سو جائیں ان چاند ستاروں سے کہہ دیں
منزل ہے کٹھن اے ہمسفرو پر راہنما تو کامل ہے
پہنچیں گے اگر توفیق ملی دنیا کے کناروں سے کہہ دیں
گن گن کے گزارے ہیں ہم نے سو سال تمہاری یادوں میں
ان ریت کے ذروں سے کہہ دیں ان تلخ بخاروں سے کہہ دیں
یہ درد اسیری بوئے گا تقدیر زمانے والوں کی
کچھ درد اسیری سے کہہ دیں کچھ درد کے ماروں سے کہہ دیں
کب تک چھپاؤ گے خالد طوفان جو اٹھتے ہیں دل میں
جو بات زبان پر نہ آئے جھک جھک کے اشاروں سے کہہ دیں

(مکرم محمد شریف خالد مرسلہ خولہ خالد)

اک دیا میں بھی جلاؤں روشنیوں کے شہر میں

ہر شخص کے رہنے کا کوئی نہ کوئی ٹھکانہ ہوتا ہے۔ ایک چھت ، جس کے نیچے وہ رہ سکے۔ دو چار لمحے سکون کے گذار سکے۔ جسے آسان لفظوں میں مکان کہتے ہیں۔ گھر نہیں کیونکہ مکان تو رہائش گاہ ہے جو بے جان چیزوں سے تعمیر کی گئی ہے۔ اور گھر تو انسانوں سے بنتے ہیں۔ یوں کہیں تو زیادہ مناسب ہو گا کہ گھر انسان بناتے ہیں اپنی خواہشات کے مطابق۔ کیا کوئی ایسا گھر ہو گا جسے کہہ سکیں

" میرا گھر میری جنت "

آئیے ذرا اس گھر پر اک نظر ڈالیں:۔

ایک تنگ سا کمرہ، جہاں ٹائیلٹ تو نظر نہیں آتی ہے البتہ ایک کونے میں میز پر چولہا اور ضرورت کی اشیاء رکھ کر اسے کچن ضرور بنا دیا گیا ہے۔ یہ ہے تو دو بچوں سمیت مختصر مگر مکمل فیملی ہے۔ لیکن چیخ و پکار گویا اس گھر کی رونق ہے ۔ صبح سے شام تک ملی جلی آوازیں سننے کو ملتی ہیں۔ آئیے آپ کو سنائیں!

" پاپا پاپا آج ماما نے بہت مارا ہے۔ " بچے نے معصومیت سے کہا۔

" آج پھر مارا تم نے۔ " آخر تم چاہتی کیا ہو ؟ دو بچے تم سے سنبھالے نہیں جاتے ! وجہ پوچھے بغیر فرمایا گیا۔

اور تم صبح سے شام تک باہر کیا کرتے ہو۔ کبھی تم نے دو چار لمحے بچوں کو دیئے۔ کبھی پیار سے بات کی ۔ بچوں کی چھوڑو میری پرواہ کی۔ کبھی دو بول محبت کے بولے۔ صبح سے شام تک بچوں کو سنبھالو اس کے بدلے میں مجھے کیا ملتا ہے کبھی بھولے سے آ ہی جاؤ تو آتے ہی لڑائی کا بہانہ ڈھونڈتے ہو۔ اور تمہارے وہ رشتہ دار.....................

" دیکھو دیکھو نام بھی مت لینا میرے رشتہ داروں کا۔ " کیوں " نام نہ لوں کتنی منتوں سے یہ رشتہ مانگا تھا اور پھر نہ انہوں نے نہ تم نے کوئی قدر جانی ۔ آج فیصلہ ہو کے رہے گا ۔ یا تو تم صحیح طرح سے اپنے فرائض ادا کرو ورنہ ہمارا گذارا نہیں تمہارے ساتھ ۔ "

گویا دل کا غبار ہلکا کیا گیا۔

اور پھر تھوڑی دیر بعد تڑاخ تڑاخ .... برتنوں کے ٹوٹنے کی آواز آئی اور دروازہ دھڑام سے کھلا اور دھڑام سے بند ہو گیا۔ قدموں کی آواز دھیرے دھیرے آہستہ ہو گئی۔ بچے سہمے ہوئے دیوار کے ساتھ چپک گئے۔ لیکن ان معصوم ذہنوں میں اک شور محشر برپا تھا۔

جی ہاں کچھ اس طرح اس گھر کی بھی حالت ہے۔ کیوں کہ یورپ میں رہتے ہوئے اکثر لوگوں کی تان یہاں ٹوٹتی ہے کہ اپنے ملک میں کیسا خوبصورت گھر تھا، کیسا خوبصورت لان تھا، رنگ برنگے پھولوں اور پھلوں کے پودوں سے بھرا، ڈھیر سارے کمرے وغیرہ وغیرہ۔

" کھانا نہیں بنایا ابھی تک " سوال کیا گیا۔

" بس تھوڑی سی اور دیر ۔ ایک دو فون آ گئے تھے۔ اور پھر بچوں نے بھی بہت تنگ کیا۔ سر میں صبح سے درد ہو رہی ہے ۔ اتنے چھوٹے سے گھر میں ایک کام کرو تو دوسرا تیار۔ "

یہ صاحبہ بھی کام کرتے کرتے تفصیل بتا رہی تھیں ۔

" پاپا پاپا تھوڑی دیر باہر چلیں " بچوں نے اجازت مانگی۔
ہنیں بیٹا! میرے پاس وقت ہنیں ہے۔ صبح سے گیا ہوں اب تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔ اور سنو کوئی شور نہ کرے اور ہاں اپنے کھلونوں سے کھیلو جا کر۔
بیزاری سے جواب دیا گیا۔

" ٹھیک ہے آپ صبح سے کام پر گئے تھے۔ مگر ویک اینڈ پر دوستوں سے گپ شپ کی تھی۔ تاش کی بازیاں بھی لگیں۔ کہتے ہیں بچوں کی مسکان سے آدھی تھکن اور بیوی کی مسکراہٹ سے مکمل تھکن ختم ہو جاتی ہے۔ مگر یہاں تو حساب ہی الٹا ہے۔ تھوڑی دیر ان کو بھی دو بچوں کو بھی توجہ چاہئیے۔ "
معلومات فراہم کرتے ہوئے گلہ کیا گیا۔

" تم سارا دن کیا کرتی رہتی ہو۔ گھر کے کام بھی کوئی کام ہیں۔ دو منٹوں کی بات ہے کیا تم ان کو توجہ ہنیں دے سکتی۔ "
صاحب اپنے بچاؤ میں پہلے ہی تیار بیٹھے تھے۔

" کیا کیا دو منٹوں کی بات ہے۔ ٹھیک ہے۔ آپ گھر کے کام سنبھالیں میں باہر جا کر کام کروں گی۔ آپ سارا دن کسی نہ کسی سے بات کرتے ہیں۔ تازہ ہوا میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ اور ہم سارا دن گھر بند۔ بعض اوقات تو دم گھٹنے لگتا ہے۔ ٹھیک ہے سارا وقت بچوں کے ساتھ رہتی ہوں۔ مگر بچے بھی ایک کو دیکھ کر اکتا جاتے ہیں۔ آخر باپ کی کوئی ذمہ داری ہے۔ "
میاں صاحب کی تسلی کی گئی۔

" میں لوگوں کے لئے کام ہنیں کرتا۔ سب کچھ آپ کے لئے ہے۔ پھر ضرورت سامان کے لئے باہر بھی لے جاتا ہوں۔ اس سے زیادہ کی طاقت ہنیں ہے۔ آپ کا کوئی اور ہمدرد ہے تو .... فیصلہ سناتے سناتے رک گئے۔ "

" تو کیا آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ میں بھی تو اس گھر کے لئے کرتی ہوں۔ اور کیا وقت دیتے ہیں آپ۔ صبح منہ اندھیرے نکلے اور شام کو آگئے۔ آتے ہی کھانا کھایا اور لیٹ گئے۔ اگر ایک دو دن کی چھٹی ملی تو دوستوں میں گذار دی یا ان کو دعوت دے کر ڈھیر سارے کھانوں کی فرمائش کر دی۔ پکارے پکاتے بازو شل ہو گئے مگر زبان سے شکوہ تک نہ کیا۔ "

اور وہ جو پچھلے دنوں آپ کو لے کر گیا تھا وہ بھول گئیں۔
سوال کیا گیا۔
" ٹھیک ہے مہینے میں ایک بار لے گئے تو کیا ہوا۔ جانے سے تو اور بھی موڈ خراب ہو گیا تھا۔ دیکھا تھا ڈھیر سارا زیور دکھا رہی تھیں اور چوڑیاں دیکھی تھیں ! کتنی خوبصورت تھیں۔ اور پارسل میں ملنے والے سوٹ کتنے خوبصورت تھے۔ نت نئے ڈیزائینوں کے ہر فیشن میں نیا سوٹ اور ہم .... وہی .... پرانے ....۔

" ٹھیک ہے ذرا ہاتھ کھلا ہونے دو۔ لے دوں گا۔ اور سوٹ کی بات بھی مت کرنا کتنی دفعہ کہا یہاں ایشین شاپ سے لے دیتا ہوں مگر اتنے مہنگے کہہ کر ہمیشہ چھوڑ دیتی ہو۔ "
سارا الزام بیوی پر لاد دیا گیا۔

" تو اور کیا پارسل میں کتنے سستے آتے ہیں اور یہاں کتنے مہنگے ہوتے ہیں۔ "
حسرت سے کہا گیا۔
مما مجھے بہت بھوک لگی ہے دودھ دو۔ بچے کی آواز پر ماں کو پھر پیار آگیا۔ کیا کریں ایک تو جگہ اتنی سی ہے بیچارے بچے کہاں کھیلیں۔ سارا دن کمرے میں تھک جاتے ہیں اور بار بار منع کرنے سے یہ نہ کرو وہ نہ کرو اس کو ہاتھ نہ لگاؤ یہ نہ توڑو کتنے چڑچڑے ہو گئے ہیں۔ ہوم اکنامکس میں پڑھا کرتے تھے بچوں کو منع ہنیں کرنا چاہئیے ورنہ وہ چڑچڑے اور ضدی ہو جاتے ہیں۔ مگر

یہاں ایک ہی کمرہ اور اگر کہیں جاؤ تو بھی آرام نہیں۔
" اچھا خیر کھانا تیار ہے کھا لیں - " جونہی آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ میاں صاحب تو نیند کی آغوش میں پہنچ چکے تھے۔ اور آج میرے بچوں کا مسئلہ حل ہوتے ہوتے رہ گیا۔

یہ تھی صرف دو گھروں کی بات چیت - کیا آپ کہہ سکتی ہیں کہ یہ صرف دو گھروں کی باتیں ہیں - نہیں بلکہ یہ گھر گھر کی کہانی ہے۔ گھر گھر کا فسانہ ہے۔ بچوں کو صحیح توجہ نہیں دی جاتی -

عموماً یہ دیکھا گیا ہے جن بچوں کو والدین کی شفقت نہیں ملتی۔ وہ تنہائی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ والدین کی باہمی لڑائیاں بھی کم سن بچوں کو تنہائی کا شکار بنا دیتی ہیں۔ جس سے ان کی شخصیت کا ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ وہ چڑچڑے اور ضدی ہو جاتے ہیں۔ ہر بات ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور بعض اوقات تو بدتمیزی پر اتر آتے ہیں۔
اور شائد یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہتا ہے -

تو میری عزیز بہنو اور بھائیو۔ آج یہ اپنے آپ سے عہد کریں اپنے وقت میں سے تھوڑا سا وقت اور تھوڑی سی توجہ اپنے بچوں کو دیں۔ اگلی نسل کو دیں - جنہوں نے بڑے ہو کر اپنی قوم کا وقار بڑھانا ہے۔ اپنی قوم کی تفسیر کرنی ہے۔

میں ورق ورق حقیقت ورق ورق سچا
مگر ہے شرط مجھے غور سے پڑھو جاناں

گفتگو کے نام سے وہ پھول برسانے لگے

جب مئے عرفان کے وہ جام چھلکانے لگے
بے حقیقت ہم کو سب دنیا کے مے خانے لگے

کر گئی مخمور ہم کو تو ملاقات حضور
ساقی و ساغر صراحی محض افسانے لگے

اس کے چہرے کا تبسم اس کی پیشانی کا نور
اس کی آنکھیں دو ہمیں الفت کے پیمانے لگے

اس کا انداز تکلم جوں بہاروں کا نزول
گفتگو کے نام سے وہ پھول برسانے لگے

کار گاہ عشق میں وہ لوگ بازی لے گئے
جو زمانے بھر کے فرزانوں کو دیوانے لگے

چن لیا ان کو خدا نے دین احمد کے لئے
جو فقیہہ شہر ! تجھ کو دیں سے بیگانے لگے

کٹ گیا ہے دور خزاں آنے کو ہے فصل بہار
حمد کے نغمات مرغان چمن گانے لگے

جانتے ہیں خوب صادق کہ وہ گندے لوگ تھے
کجروی سے اپنی جو ظاہر کے منہ آنے لگے

(حاجی غلام محی الدین صادق مور فیلڈن)

اسیران ساہیوال کی
رہائی کی
دلچسپ و ایمان افروز روئداد

ساہیوال کیس میں رہائی پانے والے مکرم الیاس منیر صاحب کے والد محترم مولانا محمد اسماعیل منیر صاحب نے اسیران ساہیوال کی رہائی کی دلچسپ روئیداد پر مشتمل درج ذیل مکتوب قادیان میں اپنے بھائی مکرم ماسٹر محمد ابراہیم صاحب درویش و درویشان قادیان کے نام لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے!

نہایت ہی پیارے بھائی و عزیزان القدر درویشان قادیان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ سب نے قادیان دارالامان کے نشان کو اونچا رکھنے کے لئے جس طرح گزشتہ نصف صدی میں جہاد فرمایا ہے۔ اس پر ہم سب آپ کو سلام کرتے ہیں اور ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ان قربانیوں کو قبول فرماتے ہوئے آپ کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرماتا جائے اور ہر دم نت نئی سے نئی خوشخبری سناتا رہے جس سے آپ کی زندگیاں حقیقی مسرتوں سے رنگین ہوتی رہیں۔

جلسہ ۱۹۹۱ء پر پیارے آقا کی آمد آپ کی زندگی کی عظیم ترین خوشخبری تھی جس سے ہم پاکستانی مجبور بھی محظوظ ہوئے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

اب ۲۰ / مارچ ۱۹۹۴ء کو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک اور عظیم خوشخبری سے نوازا جس کے لئے آپ نے دس سال دعاؤں میں لگا دیئے۔ یعنی پانچ اسیران راہ مولیٰ ساہیوال کی رہائی کی خوشخبری۔

خوشی ہے کہ درویشان کرام نے اپنے ہندو اور سکھ دوستوں کو اپنے ساتھ اس خوشی میں شامل کر لیا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

ہمارے لئے تو یہ عظیم نشان رحمت ثابت ہوا جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام "بغتۃ" کو پورا کرنے والا بنا اور اس نشان سے "رہا گوسفندان عالی جناب" والا الہام بھی پورا ہوا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب نہ صرف حضرت المصلح الموعودؓ ہوئے بلکہ آپ کا فرزند ارجمند بھی بڑی شان سے اس کا مصداق بنا۔ اور اس کی یہ شعری دعا پوری ہوئی

یا رب یہ گدا تیرے ہی در کا ہے سوالی
جو دان ملا تیری ہی چوکھٹ سے ملا ہے

گم گشتہ اسیران راہ مولیٰ کی خاطر
مدت سے فقیر اک دعا مانگ رہا ہے

جس راہ میں کھوئے گئے اس راہ پر گدا ایک
کشکول لئے چلتا ہے لب پہ یہ صدا ہے

خیرات کر اب ان کی رہائی میرے آقا
کشکول میں بھر دے جو میرے دل میں بھرا ہے

سچ ہے کہ

قادر ہے وہ بارگاہ جو ٹوٹا کام بنادے
بنا بنایا توڑ دے کوئی اس کا بھید نہ پاوے

غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے
اے مرے فلسفیو زور دعا دیکھو تو

پس ہمارے محسن اور پیارے خدا نے اپنے پیارے محبوب بندے اور اس کے ساتھیوں کی تضرعات کو سنا اور ان اسیران کی رہائی جو ہر لحاظ سے ناممکن سمجھی جاتی تھی کو ممکن بنا دیا اور اپنے قادر مطلق ہونے کا یہ ثبوت فراہم کر دیا کہ دنیا کی نظروں میں جو ٹوٹا ہوا کام تھا وہ بنادیا اور ایسے بنایا کہ جس پر سب اہل دانش انگشت بدنداں ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک

۱۶/ مارچ ۱۹۹۴ء کو اچانک مختصر سی سماعت ہوئی جس میں جسٹس ارشاد حسن صاحب اور محمد عارف صاحب کے سامنے ہمارے سینئر وکیل مکرم عابد حسن صاحب منٹو نے اپنی عرضداشت پیش کی اور ایڈوکیٹ جنرل مکرم نجم صاحب نے ان کے دلائل کے ساتھ اتفاق کرنے کا بیان درج کرایا اور ۱۹/ مارچ ہفتہ کے دن ڈیڑھ دو گھنٹے کی نظر ثانی کے بعد فیصلہ سنایا گیا۔ جس میں جنرل غلام جیلانی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر و گورنر پنجاب کے اکتوبر ۱۹۸۵ء کے نظر ثانی کے آرڈر کے مطابق اس کیس کو دفعہ ۳۰۲ کی بجائے دفعہ ۳۰۴ کا قرار دیا گیا یعنی یہ کہ ملک نعیم الدین صاحب نے اپنے دفاع میں گولی چلائی تھی جس سے حملہ آوروں کا جانی نقصان ہوگیا۔ اس کیس کی سزا زیادہ سے زیادہ دس سال دی جاسکتی ہے جو نہ صرف رانا نعیم الدین صاحب بلکہ ان کے ساتھی خواہ مخواہ بھگت چکے ہیں۔ لہٰذا انہیں فوری طور پر RELEASE کیا جائے یہی سفارش جنرل جیلانی نے دسمبر ۱۹۸۵ء میں دوبارہ لکھی تھی کہ رانا صاحب کو دس سال قید کی سزا دی جائے اور باقی سب کو رہا کر دیا جائے۔ مگر ڈکٹیٹر پاکستان ضیاء الحق نے اپنی دھونس جمائی اور بزعم خویش احمدیت کو مٹانے کے لئے سب کو سخت ترین سزائیں سنائیں اور پھر خفیہ طور پر محترم الیاس منیر صاحب اور رانا نعیم الدین کو دوبارہ پھانسی چڑھانے کی تدبیر کی مگر

اے غلام مسیح الزمان ہاتھ اٹھا
موت آ بھی گئی ہو تو ٹل جائے گی

والی ۱۹۸۳ء کی دعا پوری ہوئی اور سزا دینے والا خود ایسے عبرتناک عذاب سے دوچار ہوا کہ عذاب النار اور عذاب الحریق نے اس کا ذرہ ذرہ اڑا دیا۔

۱۹/ مارچ ۱۹۹۴ء کو یہ فیصلہ لاہور ہائی کورٹ سے ملا اس کی نقول مرزا نصیر صاحب .T.C.S کے ذریعہ سنٹرل جیل راولپنڈی کو بھجوا کر دعاؤں میں مصروف ہوگئے۔ بذریعہ فون مرکز کو اطلاع کر دی گئی تھی جہاں سے اسیران کے لواحقین کو اطلاعات اسی دن نماز مغرب تک مل گئی تھی۔ عزیزم محمد الیاس منیر صاحب علاج کے لئے سول ہسپتال فیصل آباد میں داخل تھے۔ جہاں محترم غلام دستگیر صاحب امیر جماعت فیصل آباد نے بنفس نفیس عزیزم الیاس منیر صاحب کے کان میں یہ خوشخبری سنائی کہ آپ کی رہائی کے آرڈر ہوگئے ہیں۔ جس کی خبر ہمارے پیارے خدا نے مسجد مبارک ربوہ کے ایک معتکف مکرم شکور بھائی کو چھ مارچ ۱۹۹۴ء کو دی تھی اور انہی الفاظ میں دی اور یہ خبر عاجز نے الیاس صاحب کو دو دن قبل ملاقات کے دوران سنا دی تھی انہوں نے اس کی تصدیق ہونے پر الحمد للہ کیا۔ اسی طرح ۷/ مارچ کو عزیزم خالد الیاس نے سب اسیران چنیوٹ کو گھر آتے خواب میں دیکھا تھا۔

پنڈی اور ساہیوال کے اسیران کو یہ خبر اگلی صبح ۲۰/

مارچ کو جیل میں ان کے لواحقین نے سنائی اور T.C.S کے ذریعہ ملنے والا حکمنامہ جیل حکام کو بھی ۲۰ / مارچ کو مل گیا اور سب سے پہلے عزیزم حاذق صاحب پنڈی جیل سے اپنے گھر ۱۲ بجے پہنچ گئے۔ ساہیوال اور فیصل آباد کے دو دو اسیران نثار صاحب، عبد القدیر صاحب اور الیاس منیر صاحب، رانا نعیم الدین صاحب دو اڑھائی بجے اپنی اپنی جیلوں سے فارغ ہو کر ربوہ کے لئے روانہ ہوئے اور راستے میں اکٹھے ہو کر ۸ بجے شام ربوہ پہنچے جہاں اہالیان ربوہ ۴ بجے سے ان کے استقبال کے لئے اکٹھے تھے۔ دار الضیافت تک پہنچتے پہنچتے انہیں ہجوم میں سے گزرنے پر مزید نصف گھنٹہ لگ گیا۔ آخر ساڑھے آٹھ بجے مقامی امیر محترمی مرزا منصور احمد صاحب نے انہیں ہار پہنایا رش نے منتظرین کو بے حال کر دیا دس سال تک دعائیں کرنے والوں کا شوق ملاقات قابل دید تھا۔ اسیران دھکم پیل میں سے گزرتے گزرتے عورتوں کی طرف پہنچے۔ جہاں خاندان اقدس کی مستورات بھی گھنٹوں اس لئے انتظار کرتی رہیں کہ اسیران کی ایک جھلک دیکھ سکیں۔ اس وقت اسیران کو چند نوجوانوں نے اپنے کندھوں پر سوار کر لیا جس سے اکثر عورتوں کو ان کی شکلیں نظر آ گئیں مگر ان کی تشفی پھر بھی نہ ہوئی۔ چنانچہ ہمارے گھر میں اسیران کی زیارت کرنے والوں کا تانتا آج تک لگا رہتا ہے۔ استقبالیہ تقریب دار الضیافت کے اندرونی صحن میں دعوت چائے پر ختم ہوئی جہاں T.V. والوں نے آرام سے اپنی ویڈیوز بھی بنائیں۔ زائرین کے شوق کے آگے سارے انتظامات ناکافی ثابت ہوئے۔ رات دس بجے اسیران کو اپنے اپنے مقامات پر آرام کے لئے جانے کی اجازت ملی۔ اسیران راہ مولیٰ کی آمد سے ربوہ میں خوشی کی لہر ایسی دوڑی جس کی مثال پہلے کم ہی دیکھی گئی۔ دوست اپنے اپنے گھروں میں بھی اور باہر ملاقاتوں پر ایک دوسرے کو مبارکبادیاں پیش کر رہے تھے اور خوشی پر مٹھائیاں کھا رہے تھے اور کھلا بھی رہے تھے۔ صدر انجمن احمدیہ اور دیگر اداروں نے اس خوشی میں ۲۴ / مارچ کو عام تعطیل کر دی۔ پھر مجلس انصار اللہ پاکستان اور مقامی کے علاوہ تحریک جدید انجمن احمدیہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان اور ان سب سے پہلے جامعہ احمدیہ نے اپنے اسیران کے اعزاز میں استقبالیہ پیش کئے۔ ان کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ یہاں کے مقامی اخباروں میں ان کی بریت کی خبر شائع ہو چکی ہے۔ اور آپ کے ٹی۔ وی اور ریڈیو نے تو کمال کیا کہ دوسرے دن ہی خبر نشر کر دی جس کو دیکھنے والوں نے ہمیں لاہور سے فون پر اطلاع کر دی۔ الحمد للہ

اسی طرح ساری دنیائے احمدیت نے اس عظیم الشان نشان رحمت پر خوشیاں منائی ہیں۔ عزیز احمد صاحب کا دہلی سے فون بھی آیا اور ہمیں تو دن رات فون پر فون آتے رہے۔ گھر میں مردوں اور عورتوں کے لئے شامیانے لگانے پڑے اور کرایہ کی کرسیاں بھی کئی بار کم ہو جاتی رہیں۔ پہلے دن حضور نے مٹھائی بھجوائی تھی۔ جس میں جاگ لگتی رہی۔ اور اب تک ہم کم و بیش چار پانچ من مٹھائی زائرین کی خدمت میں پیش کر چکے ہوں گے۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

شعبہ اشاعت مندرجہ ذیل بھائیوں کا ممنون ہے جنہوں نے اس ہجرت نمبر کی اشاعت کے سلسلہ میں تعاون کیا۔
جزاکم اللہ

۱۔ ڈاکٹر وسیم احمد
۲۔ داؤد کاہلوں
۳۔ محمد صنوبر سرفراز بلوچ

عطیہ ماجد

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سیدنا حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ ان عظیم اور مبارک انسانوں میں سے ہیں جو صفحہ ہستی پر بار بار نہیں آیا کرتے جو انسانیت کے روپ میں خدا تعالیٰ کا نزول ہوتے ہیں جو محبت خدا وندی کی ایک علامت ہونے کی وجہ سے دنیا کے کونے کونے میں اپنے پیار محبت اور الفت کی روشنی بکھیر دیتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے نظیر عشق تھا قرآن کریم سے بے پناہ محبت تھی خدا تعالیٰ سے عشق کا تو یہ عالم تھا کہ آپ علیہ السلام ایک دفعہ کسی مقدمہ کی پیروی کے لئے کچہری میں تشریف فرما تھے ۔ کہ نماز کا وقت ہو گیا تو آپ علیہ السلام ایک درخت کے نیچے نماز پڑھنے لگ گئے اسی دوران عدالت سے آوازیں آنی شروع ہو گئیں مگر آپ علیہ السلام نماز پڑھتے رہے اور وہاں مخالفوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اب تو مقدمے کا فیصلہ ہمارے حق میں ہو گا۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا؟ کہ خدا تعالیٰ کا عاشق مقدمے کی پرواہ کئے بغیر اپنے محبوب خدا سے ہمکلام ہو اور اس کا خدا اسے ضائع کر دے خدا تعالیٰ کے ساتھ اس قدر عشق کی برکت تو دیکھیں! آپ ابھی نماز سے فارغ ہی ہوئے تھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ عدالت کا ملازم آپ کے پاس کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ مبارک ہو مرزا صاحب مقدمے کا فیصلہ آپ کے حق میں ہو گیا۔

محبت الٰہی کے حصول کے بعد دوسرے نمبر پر عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سوال آتا ہے سو اس میدان میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقام عدیم المثال تھا ۔ آپ علیہ السلام اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں ۔

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

یعنی میں خدا کے بعد محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق میں مخمور ہوں اگر میرا یہ عشق کسی کی نظر میں کفر ہے تو خدا کی قسم میں ایک سخت کافر انسان ہوں۔
آپ علیہ السلام کے فرزند حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

"میں آسمانی آقا کو کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میرے دیکھنے میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر بلکہ محض نام لینے پر ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھلی نہ آگئی ہو۔ آپ کے دل و دماغ بلکہ سارے جسم کا رواں رواں اپنے آقا حضرت سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق میں مخمور تھا۔"

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے مکان کے ساتھ والی چھوٹی سی مسجد میں جو مسجد مبارک کہلاتی ہے۔ اکیلے ٹہل رہے تھے اور آہستہ آہستہ کچھ گنگناتے جاتے تھے اور اس کے ساتھ ہی آپ علیہ السلام کی آنکھوں سے آنسوؤں کی تار بہتی چلی جارہی تھی اس وقت ایک مخلص دوست نے باہر سے آکر سنا تو

آپ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت حسان بن ثابتؓ کا ایک شعر پڑھ رہے تھے جو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر کہا تھا اور وہ شعر یہ ہے :۔

کنت السواد الناظری فعمی علیک الناظر
من شاء بعدک فلیمت فعلیک کنت احاذر

یعنی اے خدا کے پیارے رسول! تو میری آنکھ کی پتلی تھا جو آج تیری وفات کی وجہ سے اندھی ہو گئی ہے۔ اب تیرے بعد جو چاہے مرے مجھے تو صرف تیری موت کا ڈر تھا جو واقع ہو گئی۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس طرح روتے دیکھا تو میں نے گھبرا کر عرض کیا کہ حضرت یہ کیا معاملہ ہے اور حضور کو کونسا صدمہ پہنچا ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا میں اس وقت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ شعر پڑھ رہا تھا اور میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہو رہی تھی کہ کاش یہ شعر میری زبان سے نکلتا۔
آپ علیہ الصلوۃ والسلام اگر کسی کی زبان سے اپنے عاشق صادق کا نام سنتے تو اس قدر خوش ہوتے کہ بیان سے باہر ہے۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال پیش ہے کہ :۔

ایک دفعہ ایک کھلونے بیچنے والی آئی اس سے کسی نے پوچھا تم کون ہو تو اس نے کہا کہ اللہ کی بندی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب اپنے عاشق کا نام اس کی زبان سے سنا تو بے اختیار ہو کر باہر آگئے اور فرمانے لگے اسے ایک روپیہ دے دو اس نے میرے آقا کا نام لیا ہے۔

اسی طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے خلاف اگر کسی کی زبان سے لفظ بھی سن لیتے تو برداشت نہ کر پاتے۔

پنڈت لیکھرام کو کون نہیں جانتا۔ وہ آریہ سماج کا بہت بڑا مذہبی لیڈر تھا اور اس کے ساتھ ہی اسلام کا بد ترین دشمن بھی تھا جس کی زبان اسلام اور مقدس بانی اسلام کی مخالفت میں قینچی کی طرح چلتی اور چھری کی طرح کاٹتی تھی انہی پنڈت لیکھرام کا یہ واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کسی سفر میں ایک سٹیشن پر گاڑی کا انتظار کر رہے تھے کہ پنڈت لیکھرام کا بھی ادھر گذر ہو گیا اور یہ معلوم کر کے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس جگہ تشریف لائے ہوئے ہیں ۔ پنڈت جی دنیا داروں کے رنگ میں اپنے اندر کا شعلہ دبائے ہوئے آپ کے سامنے آئے۔ آپ اس وقت نماز کی تیاری میں وضو فرما رہے تھے۔ پنڈت لیکھرام نے آپ کے سامنے آ کر ہندوانہ طریق پر سلام عرض کیا مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، گویا دیکھا ہی نہیں اس پر پنڈت جی نے دوسرے رخ سے ہو کر پھر دوسری دفعہ سلام کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پھر خاموش رہے ۔ پنڈت جی مایوس ہو کر لوٹ گئے تو کسی نے یہ خیال کر کے کہ شاید حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پنڈت لیکھرام کا سلام سنا نہیں ہو گا۔ حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ پنڈت لیکھرام آئے تھے اور سلام عرض کرتے تھے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بڑی غیرت کے ساتھ فرمایا "ہمارے آقا کو تو گالیاں دیتا ہے اور ہمیں سلام کرتا ہے۔"
یہ اس شخص کا کلام ہے جو ہر طبقہ کے لوگوں کے لئے مجسم رحمت تھا، ہندوؤں میں اس کے بہت ملنے والے دوست تھے اور اس نے ہر قوم کے ساتھ انتہائی شفقت اور انتہائی ہمدردی کا سلوک کیا مگر جب اس کے آقا اور اس کے محبوب کے لئے غیرت کا سوال آیا تو اس سے

بڑھ کر ننگی تلوار دنیا میں کوئی نہیں تھی۔

عشق کا لازمی نتیجہ قربانی اور فدائیت اور غیرت کی صورت میں ظاہر ہوا کرتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں یہ جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا ایک جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام عیسائی پادریوں کے ان جھوٹے اور ناپاک اعتراضوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات پر کیا کرتے ہیں کہ :۔

"عیسائی مشنریوں نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بے شمار بہتان گھڑے ہیں اور اپنے اس دجل کے ذریعے ایک خلق کثیر کو گمراہ کر کے رکھ دیا ہے ۔ میرے دل کو کسی چیز نے کبھی اتنا دکھ نہیں پہنچایا ہے ...... خدا کی قسم اگر میری ساری اولاد اور اولاد کی اولاد میرے سارے دوست اور میرے سارے معاون و مددگار میری آنکھوں کے سامنے قتل کر دئے جائیں اور خود میرے اپنے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں اور میری آنکھ کی پتلی نکال پھینکی جائے اور میں اپنی تمام مرادوں سے محروم کر دیا جاؤں اور اپنی تمام خوشیوں اور تمام آسائشوں کو کھو بیٹھوں تو ان ساری باتوں کے مقابل پر بھی میرے لئے یہ صدمہ زیادہ بھاری ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسے ناپاک حملے کئے جائیں۔ پس اے میرے آسمانی آقا! تو ہم پر اپنی رحمت اور نصرت کی نظر فرما اور ہمیں اس ابتلاء عظیم سے نجات بخش ۔"

(اردو ترجمہ : آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۵ روحانی خزائن جلد ۵)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی اپنے محبوب آقا کے نقش قدم پر گذاری بنی نوع انسان سے ہمدردی کے فرض کی ادائیگی میں حضرت اقدس نے اپنے محبوب آقا وجہ تخلیق کائنات کے نقش قدم پر چلنا باعث فخر سمجھتے ہوئے مذہب اور ملت کی تفریق مٹا کر اپنے دوست و دشمن سبھی سے حسن سلوک کی ایک نہایت درخشندہ مثال قائم فرمائی۔

آپ علیہ السلام کی زندگی کا ہر لمحہ مخلوق خدا کی ہمدردی میں گذرتا تھا دوست تو کیا اپنے دشمن کی تکلیف سے بھی تڑپ اٹھتے تھے جن دنوں طاعون نے تباہی مچا رکھی تھی انہی ایام کا ذکر کرتے ہوئے مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ حضور کی علیحدگی میں کی جانے والی دعا کا ذکر ان الفاظوں میں کرتے ہیں۔ اس دعا میں آپ کی آواز میں اس قدر درد اور سوز تھا کہ سننے والے کا پتہ پانی ہو جاتا ہے میں نے غور سے سنا کہ آپ مخلوق خدا کے واسطے طاعون کے عذاب سے نجات کے لئے دعا فرما رہے ہیں اور کہہ رہے کہ الہیٰ اگر یہ لوگ طاعون کے عذاب سے ہلاک ہوگئے تو پھر تیری عبادت کون کرے گا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مہمان نوازی کے پہلو کو نہایت شدت کے ساتھ اپنایا اور مہمانوں کی خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی حضور نے بھی اپنی مبارک زندگی میں مہمان نوازی بے شمار روشن مثالیں چھوڑیں۔ آپ کے ہاں جب کوئی مہمان آتا تو آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے پھول کر کھل اٹھتا بعض اوقات آپ مہمان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے اسے اچھی سے اچھی جگہ پر بٹھاتے مہمانوں کو آرام پہنچانے کے لئے حضور بے مثال ایثار سے کام لیتے خود تکلیف اٹھاتے مگر مہمان کو اس کا احساس تک نہ ہونے دیتے ۔

ایک بار جلسہ سالانہ کے موقع پر بہت سے آدمی اپنے

ساتھ بستر نہ لائے مہمانوں کے لئے اندر سے بستر منگوائے گئے۔ کارکن عشاء کے بعد حضور کی خدمت میں حاظر ہوئے تو دیکھتے ہیں کہ آپ علیہ السلام بغلوں میں ہاتھ دیئے بیٹھے ہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ نے اپنا لحاف بھی مہمانوں کے لئے بھجوا دیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ حضور آپ کے پاس کوئی کپڑا نہیں رہا اور سردی سخت ہے۔ فرمانے لگے مہمانوں کو تکلیف نہیں ہونی چاہئیے ہمارا کیا ہے رات گذر ہی جائے گی لیکن وہ کسی سے لحاف مانگ کر اوپر لے گیا تو حضور نے فرمایا کسی مہمان کو دے دو مجھے تو اکثر نیند بھی نہیں آتی۔

اپنی مثال ایسے ہے جیسے کوئی درخت!
دنیا کو چھاؤں بخش کر خود دھوپ میں جلے

اپنی ان عدیم المثال خدمات کے باوجود جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو ایک وفادار شاگرد اور ایک احسان مند خادم کی حیثیت سے اپنا ہر پھول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں ڈالتے جاتے ہیں اور بار بار عاجزی کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ:۔

آقا! یہ سب کچھ آپ ہی کے طفیل ہے میرا تو کچھ بھی نہیں چنانچہ فرماتے ہیں میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سید و مولیٰ فخر الانبیاء اور خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہوں کی پیروی نہ کرتا سو میں نے جو کچھ پایا اس پیروی سے پایا۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایسا عشق تھا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ علیہ السلام کی جان اس عشق میں بالکل گداز تھی ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کانوں سے سنا اور اپنے حواس ظاہر و باطنی سے محسوس کیا کہ آپ کا ذرہ ذرہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خدائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان تھا۔ آپ علیہ السلام اپنی ایک نظم میں بڑے درد ناک انداز میں فرماتے ہیں۔

دے چکے دل اب تن خاکی رہا
ہے یہی خواہش کہ ہو وہ بھی فدا

تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب

پس اس کے سوا میں اس جگہ اس مضمون کے بارہ میں کچھ نہیں کہہ سکوں گی کیونکہ ایک وسیع سمندر میں سے انسان صرف چند چلو ہی بھر سکتا ہے اس لئے اس عنوان کے تحت اب صرف یہ ہی دعا کر سکتی ہوں۔

اللھم صلی علیٰ محمد و علیٰ آل محمد و علیٰ عبدک المسیح الموعود و بارک وسلم ویا ایھاالذین امنو صلو علیہ وسلمو تسلیما

(سیرت طیبہ صفحہ ۲۶ تا ۴۷ مطبوعہ ۱۹۴۰ء)

تالا پڑنے کی باتیں پرانی ہوئیں
اب تو ہر گھر کی چوکھٹ پہ آتے ہو تم

جسم و جان کی اداسی بھی جاتی رہی
پیاری باتوں سے دل کو لبھاتے ہو تم

اک بٹن کے دبانے سے ہے معجزہ
یوں پلک کے جھپکتے میں آتے ہو تم

ڈش انٹینا تیری خیر ہی خیر ہو
میرے پیارے کو مجھ سے ملاتے ہو تم

(نصیر احمد راجپوت نیلا گنبد لاہور)

مکرم و محترم محمد الیاس منیر صاحب
اسیر راہ مولیٰ ساہیوال سے انٹرویو

اسیر راہ مولا محمد الیاس صاحب منیر مربی سلسلہ احمدیہ ان دنوں جرمنی میں ہیں۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ادارہ خدیجہ جرمنی نے ان سے ایک انٹرویو کیا۔ اس کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے۔ موصوف اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ ایک لمبا عرصہ پاکستان کی مختلف جیلوں میں جرم بے گناہی میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے ہیں۔ قارئین سے ان کی صحت، درازی عمر اور مقبول خدمت دین کی توفیق پانے کے لئے درخواست دعا ہے۔ ادارہ

(کوثر شاہین ملک) بیشتر اس سے کہ میں اصل موضوع کی طرف آؤں میں آپ سے چند ذاتی سوالات کرنا چاہتی ہوں۔

(جناب الیاس منیر) ضرور، ضرور۔

سوال:۔ آپ کا پورا نام کیا ہے؟

جواب:۔ محمد الیاس منیر۔

سوال:۔ آپ کی تاریخ پیدائش؟

جواب:۔ ۶/ اگست ۱۹۵۷ء ہے۔ چھ اگست انیس سو ستاون

۔ سوال:۔ آپ کے والد صاحب کا تعارف؟

جواب:۔ میرے والد محترم سلسلہ احمدیہ کے پرانے خادم مکرم محمد اسماعیل منیر ہیں۔ آپ ۱۹۵۱ء سے میدان عمل میں ہیں اور اب تک سری لنکا، مشرقی افریقہ، ماریشس اور سیرا لیون میں بطور مبلغ سلسلہ خدمات سر انجام دے چکے ہیں اور ان دنوں مرکز سلسلہ ربوہ میں سیکرٹری حدیقۃ المبشرین کی حیثیت سے خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔ الحمد للہ

سوال:۔ آپ کی شادی کب ہوئی؟

جواب:۔ ۲/ اپریل ۱۹۸۲ء کو ہوئی۔

سوال:۔ آپ کے بچے کتنے ہیں؟

جواب:۔ میرے دو بیٹے عزیزان طارق الیاس اور خالد الیاس ہیں۔

سوال:۔ کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ آپ کی جو زندگی وقف ہے وہ والدین نے بچپن میں وقف کر دی تھی یا آپ نے بڑے ہو کر خود کو وقف کیا تھا؟

جواب:۔ اس زمانہ میں وقف نو قسم کی تحریک تو تھی نہیں کہ باقاعدہ طور پر والدین بچپن میں ہی وقف کر دیتے تاہم گھر میں یہ ذکر ضرور ہوتا رہتا تھا۔ اس طرح سے ایک خاموش انداز میں میرا ذہن تیار کیا جاتا رہا۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ میٹرک کا نتیجہ آتے ہی خاکسار نے وقف زندگی کا فارم لا کر پر کر دیا۔

سوال:۔ آپ کی پہلی تقرری کب اور کہاں ہوئی؟

جواب:۔ ۳۰/ اپریل ۱۹۸۱ء کو ہم جامعہ احمدیہ سے فارغ التحصیل ہو کر میدان عمل میں آئے اور مئی ۸۱ء کے آخری عشرہ میں خاکسار جماعت احمدیہ تخت ہزارہ ضلع سرگودھا میں مربی سلسلہ کی حیثیت سے پہنچا۔ یہ میری پہلی تقرری تھی۔

سوال:۔ ساہیوال آپ کب تشریف لائے؟

جواب:۔ مئی ۱۹۸۳ء میں۔

سوال:۔ دنیا کے تمام احمدیوں کو علم ہے آپ نے لمبا عرصہ اسیری میں کاٹا ہے دوسرے لفظوں میں آپ نے سنت یوسفی پہ عمل کیا ہے تو کیا اسیری سے قبل آپ کو مخالفین کی طرف سے کوئی وارننگز ملتی رہیں؟

جواب:۔ ذاتی طور پر تو مجھے ایسی کوئی وارننگ نہیں ملی تا

ہم مسجد پر حملہ کرنے کا جو منصوبہ تھا اس کا ہمیں علم ہوتا رہا۔ اس کی اطلاع باقاعدہ طور پر پولیس کو بھی دی جاتی رہی۔ اس کے علاوہ جب سے یہ آرڈیننس نمبر ۲۰ نافذ ہوا تھا میرے دل میں کئی بار خیال آیا کہ اس آرڈیننس کے تحت تو کسی بھی احمدی کو جیل بھیجا سکتا ہے اور اس کا بعض دوستوں سے اظہار بھی کرتا رہا۔

سوال :۔ آپ کو کن حالات میں اسیر بنایا گیا؟

جواب :۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ مخالفین نے ہماری مسجد پر حملہ کیا تھا اور یہ گستاخی کی تھی کہ کلمہ طیبہ مسجد کی پیشانی پر سے مٹائیں اور اس کے علاوہ دوسری قرآنی آیات مٹا ڈالی تھیں اور مسجد کی بے حرمتی کی تھی اور بلوہ کیا تھا اور دھمکیاں دی تھیں ۔ جس کی وجہ سے وہاں رہائش پذیر احمدی گھرانوں کی جانیں تک خطرے میں پڑ گئی تھیں۔ اس پر ہمارے خادم مسجد مکرم رانا نعیم الدین صاحب کو اپنے دفاع میں گولی چلانی پڑی تھی۔ اس فائرنگ کے نتیجہ میں ان حملہ آوروں میں سے دو بلوائی ہلاک ہو گئے تھے۔

اس واقعہ کے رونما ہونے پر پولیس آئی تو اسے اصل واقعات سے آگاہ کیا گیا ۔ رانا نعیم الدین صاحب نے صاف صاف بتایا کہ یہ فائرنگ میں نے کی ہے۔ چنانچہ پولیس انہیں پکڑ کر لے گئی۔ عام طور پر تو یہی خیال تھا کہ اصل واقعات کے مطابق ہی کاروائی ہو گی۔ مگر صورتحال لمحہ بہ لمحہ بدلنے لگی۔ مولویوں کی طرف سے بھی دباؤ تھا اور فوجی حکومت کے سربراہ کے ہاتھ تو گویا ہمارے خلاف انتہائی کاروائی کرنے کا ایک بہانہ آ گیا تھا اور اس نے اس کیس کے بارہ میں مقامی پولیس کو براہ راست ہدایات جاری کیں۔ چنانچہ تھانیدار صاحب ہم چار افراد مکرم میاں حاذق رفیق طاہر صاحب، مکرم محمد نثار صاحب، مکرم عبد القدیر صاحب اور خاکسار کو امیر صاحب ساہیوال سے یہ کہہ کر تھانہ لے گئے کہ ہم نے اصل واقعات پوچھنے ہیں اور کمشنر صاحب کو رپورٹ پیش کرنی ہے۔ تو اس طرح سے ہمیں تھانہ لیجایا گیا۔ رات گئے تک زیر حراست رکھا گیا۔ گیارہ بجے شب کے بعد جب مولوی آ کر ہمارے خلاف ایف آئی آر درج کروا چکے تو اس وقت ہماری گرفتاری باقاعدہ طور پر عمل میں لائی گئی نام تو ہمارے پہلے سے پوچھ لئے گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے جو کہانی گھڑی تھی اس میں ہمارے نام شامل کر دیئے گئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ مندرجہ بالا افراد کے علاوہ مکرم بزرگوارم ملک محمد دین صاحب مرحوم، مکرم چوہدری محمد اسحاق صاحب* مکرم پروفیسر محمد طفیل صاحب، مکرم چوہدری حفیظ الدین صاحب اور مکرم چوہدری شاہد نصیر باجوہ صاحب کو بھی اس مقدمہ میں ملوث کر دیا گیا ہے۔

سوال :۔ آپ کے اہل خانہ کا فوری رد عمل کیا ہوا؟

جواب :۔ جہاں تک بیوی بچوں کا تعلق ہے وہ میرے پاس ساہیوال میں ہی تھے ۔ صبح جب یہ واقعہ ہوا تو میں نے اپنی بیگم کو کہہ دیا تھا کہ اب ذرا ہمت سے کام لینا۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے ۔ کچھ دیر بعد جب پولیس نے کہا کہ یہ مسجد خالی کر دو تا کسی قسم کے مزید بلوے کا خطرہ نہ رہے تو اس وقت امیر صاحب کی اجازت اور ان کے مشورہ سے میں نے اپنے بیوی بچوں کو اپنے ایک بزرگ کے ہاں ساہیوال میں ہی بھیج دیا۔ میری گرفتاری کا انہیں بعد میں ہی علم ہوا۔ ویسے میں نے انہیں صبح سے ہی ذہنی طور پر کسی بھی صورتحال کا سامنا کرنے کے لئے تیار کیا ہوا تھا۔

سوال :۔ جتنی دیر آپ اسیری میں رہے آپ کے بیوی بچے ساہیوال میں ہی رہے یا کہیں اور چلے گئے؟

جواب :۔ وہ چند دن تو ساہیوال میں ہی رہے ۔ بعد میں جب میرے ابا جان ساہیوال آئے تو وہ انہیں اپنے ساتھ ربوہ لے گئے پھر اسیری کا تمام عرصہ وہ میرے ابا جان کے پاس ہی رہے۔ اس دوران ابا جان نے ان کی بے پناہ خدمت کی ۔ جس طرح سے ان کا خیال رکھا اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بہت ہی پیار اور محبت کا ان سے برتاؤ کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے ابا جان نے اس دوران چو مکھی لڑائی لڑی ہے۔ ایک طرف میرے بیوی بچوں کو سنبھالنا، دوسرے میرے ساتھ مسلسل ملاقات کرتے رہنا۔ یاد رہے کہ ابا جان ہر پندرہ دن کے بعد ملاقات کیا کرتے تھے۔ خواہ بیمار ہوں یا جس حالت میں بھی ہوں۔ اس کے بعد جیل والوں کے ساتھ رابطہ پھر وکلاء اور عدالتوں میں جانا ۔ مختلف قسم کے ان کے محاذ تھے جن پر انہوں نے خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑی ہمت اور حوصلے کے ساتھ لڑائی لڑی ہے اللہ تعالیٰ ان کو جزا دے ۔ آمین

* مکرم لطف الرحمن صاحب

سوال :۔ قید خانے میں آپ کے ساتھ جیلرز وغیرہ کیسا سلوک کرتے تھے ۔کچھ سہولتیں دیتے تھے یا نہیں ؟
جواب :۔ جیل والوں کے سلوک کے بارہ میں ایک جملہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرنا تو نہیں چاہتے تھے اور جس حد تک ان سے ممکن ہوتا ہاتھ کھینچ کر ہی رکھتے تھے۔ چنانچہ ہماری ہی طرح کے دوسرے قیدیوں کے ساتھ ہماری نسبت اور ہی سلوک ہوتا تھا تاہم ان کے ایسے سلوک کے مقابلہ پر ہم صبر اور دعا سے کام لے کر اس شر میں سے بھی خیر کا پہلو نکال لیتے تھے پھر بعض اوقات قدرت کی طرف سے ان لوگوں کے ساتھ ہونے والے سلوک کا نظارہ ہمارے لئے تقویت ایمان کا موجب ہوتے۔
سوال :۔ براہ کرم آپ ان واقعات میں سے ایک دو ضرور بیان کریں۔
جواب :۔ یہ دو سال پہلے کی بات ہے کہ ابا جان ملاقات کے لئے آئے ، پیغام بھجوایا ، مجھے بھی اندر اطلاع مل گئی جیسا کہ جیل کا طریق تھا۔ میں دربان کے پاس آیا تو اس نے کہا کہ ڈپٹی صاحب سے پوچھ کر ملاقات ہو گی۔ میں ان کے پاس چلا گیا تو وہ مجھ پر گویا برس پڑے کہ تمہاری ملاقات روز آ جاتی ہے میرے لئے یہ رد عمل بڑا غیر متوقع تھا کیونکہ بظاہر وہ میرے ساتھ اچھی طرح سے پیش آیا کرتے تھے۔ خیر میں نے ان کے ساتھ بات کی کہ آپ ہی تو ملاقات کرواتے ہیں۔ مگر وہ اچھے خاصے گرم رہے۔ انہوں نے اپنے ماتحت افسر جو ملاقاتوں پر مقرر تھا کو بلوا کر ہدایت دی کہ اس کی ملاقات پندرہ روز کے بعد ہی ہوا کرے ..... خیر بات آئی گئی ہو گئی۔ ان کی ان باتوں کا ذہن پر کچھ اثر تو تھا مگر خدا تعالیٰ کی رحمت پر بھی یقین تھا کہ وہ خود ہی انتظام بھی فرمائے گا۔ آپ یقین کیجئے کہ ابھی پندرہ دن نہیں گزرے تھے کہ اللہ کا کرنا ہوا کہ بالکل غیر متوقع طور پر اس افسر کی ایسی پوسٹ پر ٹرانسفر ہو گئی جو غیر موثر تھی۔ اگرچہ اس کا رینک تو وہی رہا مگر status بدل گیا اور وہ انتظامی طور پر بالکل بے بس سے ہو کر رہ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے کہ وہ اس پوسٹ پر واپس آ جائیں مگر کہاں ! اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے میری دلداری کے سامان کئے اور وہ یوں کہ اس کی جگہ آنے والے ڈپٹی صاحب پہلے کی نسبت بہت زیادہ مہربان اور شفیق ثابت ہوئے۔ الحمد للہ
اس طرح سے وہ زیادتی کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ اس کی تلافی کر دیتا تھا۔ اس کا مداوا کر دیتا تھا اور کسی نہ کسی طریق سے ہماری دلجوئی کرتا تھا جو مختصر وقت میں بیان کرنا ممکن نہیں۔
سوال :۔ جب آپ نماز پڑھتے تھے یا تلاوت قرآن کریم کرتے تھے تو اس پر تو کوئی بندش نہیں لگاتے تھے ؟
جواب :۔ کوئی خاص بندش تو نہ تھی تاہم عام طور پر انہیں اچھا نہیں لگتا تھا۔ بعض اوقات تلخی بھی ہوئی کہ تم بلند آواز سے قرآن پاک پڑھتے ہو ۔ تم رات دیر تک پڑھتے ہو روشنی ہماری نیند خراب کرتی ہے وغیرہ وغیرہ ۔ لیکن ان کا بہر حال مقابلہ کرنا پڑتا تھا اور ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب کچھ علی الاعلان کرتے رہے۔ نمازوں کے علاوہ نماز جمعہ بھی پڑھتے رہے۔ تلاوت قرآن کے وقت بعض اوقات غیر از جماعت بھی آ جاتے اور سنتے اور حیران ہو کر پوچھتے کہ یہ تو وہی قرآن ہے پھر تمہاری مخالفت کیسی .... یہ تو کہتے ہیں کہ تم کوئی اور قرآن پڑھتے ہو........ بس ہمارا مقصد بھی اس طرح سے پورا ہو جاتا تھا کہ ان کی غلط فہمی دور ہو جاتی ۔ اور اس طرح سے ہم ان کے ذہنوں میں قائم اس تصور کو بدلنے میں بہت حد تک کامیاب رہے۔ الحمد للہ
سوال :۔ آپ اس قید خانے میں اکیلے احمدی تھے یا آپ کے ساتھ اور بھی احمدی تھے ؟ جواب :۔ مختلف حالات رہے ہیں پہلے ہم سب اکٹھے تھے۔ پھر اپنے اپنے حالات کے مطابق مختلف جیلوں میں منتقل ہو گئے ۔ اس دوران میں اکیلا بھی رہا۔ اپنے مقدمہ کے علاوہ دیگر مقدمات میں ملوث بعض احمدی بھی آتے جاتے رہتے تھے۔ اس طرح سے جیل میں بھی جماعتی ماحول کسی نہ کسی حد تک مسیر آ جاتا رہا۔
سوال :۔ کیا آپ کو قید خانے میں کتب مہیا کی جاتی تھیں ؟
جواب :۔ جیل کی طرف سے تو نہیں البتہ ابا جان جب بھی ملاقات پر جاتے تو کوئی کوئی کتاب تازہ اخبار الفضل اور رسائل وغیرہ ضرور لے کر جاتے۔ جماعتی طور پر شائع ہونے والی ہر نئی کتاب ابا جان نے ضرور پڑھائی ہے۔ بعض اور دوست بھی کتابیں بھجوایا کرتے تھے اور

میں نے حکومت پنجاب سے باقاعدہ لکھنے پڑھنے کا سامان اپنے پاس رکھنے کی اجازت بھی لے رکھی تھی ۔ میرے پاس ہر وقت کتابیں پڑی رہتی تھیں اور میرا کمرہ سٹڈی روم بھی لگتا تھا۔

سوال :۔ اس دوران آپ نے اپنی ڈائری بھی لکھی ؟

جواب :۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے ڈائری لکھتا رہا ہوں ساڑھے سات سو صفحات پر مشتمل حالات میں نے لکھے ہوئے ہیں کچھ ابھی قلمبند کرنے والے ہیں جب بھی موقعہ ملا لکھوں گا. انشاء اللہ

سوال :۔ حضور اقدس کو خدا تعالیٰ نے اسیران راہ مولیٰ کی رہائی کے بارے میں واضح اشارہ کیا اسی طرح جماعت کے دوسرے مخلصین بھی اسیران راہ مولی کے لئے درد دل سے دعائیں کرتے رہے ان کو بھی خوابوں میں اشارے ملتے رہے تو کیا آپ کو یہ خبریں قید خانے میں ملتی رہیں ؟ آپ کا رد عمل کیا ہوتا تھا ؟ کیا آپ کو بھی خدا تعالیٰ نے آپ کی رہائی کے بارہ میں کوئی خواب کے ذریعہ اشارہ کیا ؟

جواب :۔ بات یہ ہے کہ یہ اطلاعات ہمیں ملتی تھیں اور حضور اقدس کی یہ باتیں۔ تسلی کے فقرات ، ان کے کلمات کے سہارے ہی تو ہم جیتے تھے اور بھی ایک سہارا تھا جو ایک مضبوط یقین مہیا کرنے والا تھا۔ دل کو یقین محکم ہو گیا تھا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم ضرور رہا ہوں گے۔ بعض غیر از جماعت ہم سے پوچھا کرتے تھے کہ آپ کا کیا بنے گا تو ہم بھی جواب دیتے کہ انشاء اللہ ہم رہا ہوں گے۔ کیسے ؟ یہ نہیں معلوم ہر ایک کو بھی جواب ہوتا تھا ہمارا کہ کب اور کیسے کا معلوم نہیں یہ تو خدا تعالیٰ کو ہی معلوم ہے اس نے ہر ایک کام کے لئے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے قد جعل اللہ لکل شی ء قدراً تو یہ ہمیں یقین ہے کہ ایسا ضرور ہو گا۔ وہ یقین ہم میں خدا کے خلیفہ نے پیدا کیا تھا۔

سوال :۔ آپ کی بیگم جب آپ سے ملاقات کے لئے آتی تھیں تو کبھی انہوں نے پریشانی کا اظہار کیا تھا یا یہ کہ آئندہ کیا ہو گا ؟

جواب :۔ نہیں انہوں نے کبھی پریشانی کا اظہار نہیں کیا خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے بڑی دلیری اور حوصلہ ان کو عطا کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ خدا تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ باوجود اس کے کہ ان کا پہلا گھر ہے جس نے احمدیت قبول کی۔ ان کا تمام خاندان غیر از جماعت ہے۔ میرے سسر صاحب نے ۱۹۴۹ء بیعت کی تھی۔ صرف وہی اور ان کے اہل و عیال احمدی ہیں مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے اخلاص میں انہوں نے بڑی ترقی کی ہے۔ اس طرح اکیلے ہونے کے باوجود انہوں نے غیر معمولی صبر و ہمت کا مظاہرہ کیا اور حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا ۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزا دے ۔ آمین

میری اہلیہ کے رویے نے میرے حوصلے کو بڑھایا اور اس اسیری کے زمانے میں وہ مجھ سے کہیں زیادہ قربانی میں شامل رہیں۔

سوال :۔ آپ کے بچے جب قید خانہ میں ملنے آتے تھے تو وہ آپ سے پوچھتے تھے کہ آپ یہاں کیوں ہیں کب آئیں گے ؟ کیونکہ بچوں کا معصوم ذہن ایسے واقعات کو قبول کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔

جواب :۔ ہاں ! یہ تو بچے پوچھتے رہتے تھے کب آنا ہے ؟ آپ جلدی گھر آئیں اس طرح کی باتیں تو ہوا کرتی ہیں ۔ اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے بعض اوقات ان کو سمجھانا مشکل بھی ہو جاتا تھا کہ ان کے ذہن میں یہ باتیں کیسے ڈالیں مگر آہستہ آہستہ ان کو خبر ہوتی گئی۔ بڑا بیٹا تو اللہ کے فضل سے سمجھ دار ہو گیا تھا مگر چھوٹا کئی بار مصر ہو جاتا تھا کہ آپ ہر بار کہتے ہیں گھر آؤں گا مگر آتے نہیں۔ بہر کیف مشکل کا سامنا تو کرنا پڑتا تھا۔

۔ اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں ۔

سوال :۔ بچوں کی عمر کتنی تھی جب آپ کو اسیر کیا گیا ؟

جواب :۔ بڑا بیٹا پونے دو سال کا تھا اور چھوٹا بیٹا تو بہت ہی چھوٹا تھا قریباً دو ماہ کا۔

سوال :۔ آپ قید خانے میں کتنا عرصہ رہے ؟

جواب :۔ قریباً نو سال اور پانچ ماہ اور پچیس دن ۔

سوال :۔ آپ کے بچے ماشاء اللہ اب بڑے ہو گئے ہیں ؟

جواب :۔ ہاں جی ! قریباً میرے ہم قد ہو گئے ہیں۔

سوال :۔ آپ کو جب رہائی ملی تو آپ کی کیا حالت ہوئی اور آپ کے اہل خانہ کا کیا تاثر تھا ؟

جواب :۔ اہل خانہ کی حالت تو وہ خود ہی بتا سکتی ہیں۔

سوال :۔ آپ نے بھی تو کچھ محسوس کیا ہو گا ؟ دوسرے کی خوشی زیادہ محسوس کی جا سکتی ہے ۔

جواب :۔ جب ہم ربوہ میں داخل ہو رہے تھے میں سوچ

رہا تھا کہ دشمن نے تو یقین کر رکھا تھا کہ ہم کسی اور حالت میں ہی آئیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ قدیر بھی ہے قادر بھی ہے اور مقتدر بھی ہے اس نے موت کے منہ سے ہمیں نکال کر کتنی شان کے ساتھ ہمیں ربوہ میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ شان اس لحاظ سے میں نہیں کہہ رہا کہ میری کوئی ذاتی حیثیت تھی بلکہ یہ کہ وہ منظر بڑا شاندار تھا۔ جب ہم داخل ہوئے ہیں۔ جذبات کا ایک طوفان تھا ایک سیلاب تھا جو میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ ربوہ سے پہلے چنیوٹ سے ہی دوست ہمارے قافلے میں شامل ہونے لگے۔ تو جذبہ و جوش کے ساتھ شریک ہو رہے تھے اور ربوہ پہنچ کر تو ہم اس میں بالکل ڈوب کر ہی رہ گئے۔ یہ منظر ایک غیر معمولی شان رکھتا تھا میں اس منظر کی شان کی بات کر رہا ہوں۔ اس عظیم شان کے ساتھ ہم داخل ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے یہ سامان پیدا کئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا ہمارے لئے یہ غیر معمولی فضل تھا۔ اور اس کے شکر میں اس کی حمد کے ترانے ہی گائے جا سکتے ہیں۔ الحمد للہ

سوال:۔ آپ کی صحت دوران اسیری کیسی رہی؟

جواب:۔ اللہ کے فضل سے عمومی طور پر ٹھیک رہا خدا تعالیٰ کے فضلوں کا جو غیر معمولی سلسلہ جاری تھا اسمیں سے ایک یہ بھی تھا کہ کسی بھی موقعہ پر صحت اس حد تک تاثر نہیں ہوئی کہ ہماری طرف سے کوئی ایسی بات ہوتی کہ مخالفوں کو خوشی کا موقعہ ملتا۔ کبھی کبھار معمولی بخار یا کھانسی کی شکایت ہوتی رہی لیکن بفضل خدا تعالیٰ ہم کسی بڑی بیماری سے محفوظ رہے۔ وہاں کا کھانا بہت ناقص ہوتا ہے۔ مگر ہم خود بھی کھانا پکاتے تھے یہ سہولت بھی خدا تعالیٰ نے میسر کر دی تھی۔ مگر ایک بات خاص طور پر محسوس کی اور ہر ایک قیدی کا یہ احساس تھا کہ ہم جتنی مرضی احتیاط سے کھانا پکا لیں مگر اس کا ذائقہ اس کا اثر اس کا مزہ گھر کے آئے ہوئے کھانے کی طرح کبھی بھی نہیں ہو سکتا چنانچہ یہ میرا تجربہ ہے کہ جو کھانے ہم خود پکاتے تھے۔ معمول کے مطابق کھاتے تھے اس کے باوجود طبیعت اس طرح خوش نہیں ہوتی تھی جس طرح ملاقات کے وقت جو گھر سے پکا ہوا کھانا آتا تھا کھا کر طبیعت خوش ہوتی تھی۔

سوال:۔ گھر والوں کے علاوہ بھی لوگ آپ سے ملنے آتے تھے؟

جواب:۔ جی ہاں! پاکستان سے اور بیرون ممالک سے جب دوستوں رشتہ داروں کا آنا ہوتا تھا تو وہ ملاقات کے لئے جیل بھی آتے اور یہ بات وہاں بہت اثر انداز ہوتی تھی۔ جیل حکام حیران ہوتے تھے کہ اس کی ملاقاتیں کہاں کہاں سے آتی ہیں۔

سوال:۔ یہ ملاقاتیں خود آپ کے لئے بھی تقویت کا باعث ہوتی ہوں گی۔

جواب:۔ جی ہاں یقیناً۔

سوال:۔ آپ نے رہائی کے کتنے عرصہ بعد جرمنی ہجرت کی

جواب:۔ ۲۰/ مارچ ۱۹۹۴ء کو میری رہائی ہوئی ہے اور ۲/ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو میں فرانکفرٹ پہنچا ہوں۔ قریباً چھ ماہ کا عرصہ بنتا ہے۔ جو رہائی کے بعد ربوہ رہا۔ سوال:۔ ویزہ لگوانے میں کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی؟

جواب:۔ جی نہیں۔

سوال:۔ ہجرت کے بعد آپ کے کیا محسوسات ہیں؟ ظاہر ہے اپنا وطن چھوڑا ہے اور بیوی بچے بھی ابھی وہیں ہیں؟

جواب:۔ جی ہاں! فی الحال وہیں ہیں۔ بات یہ ہے کہ جس ماحول میں انسان نے اپنی آنکھ کھولی ہو اس ماحول سے ہزار گنا بھی بہتر ماحول اس کو مل جائے تو وہ قرار اور سکون نہیں ملتا جو اس کو اپنے ماحول میں ملتا ہے پنجابی میں ایک مثال ہے۔

" جیڑا مزہ چھجو دے چبارے او مزہ نہ بلخ نہ بخارے "

تو میری بھی کیفیت ہے میں جب کراچی سے روانہ ہو رہا تھا تو مجھے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ کیفیت یاد آ رہی تھی جو مکہ سے مدینہ روانہ ہوتے ہوئے تھی کہ!

" مکہ تجھے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا لیکن کیا کروں تیرے جو باسی ہیں وہ یہاں رہنے نہیں دیتے۔ "

بہر حال اپنے ملک میں رہنے کا شوق تو ہر ایک کو ہوتا ہے لیکن اس کے مقابلے پہ جو مجبوریاں ہوتی ہیں جو منصوبے ہوتے ہیں جو مشن ہوتا ہے وہ اگر عظیم ہو تو اس کی قربانی دینی پڑتی ہے۔

سوال:۔آپ کا مستقل قیام کہاں ہو گا؟

جواب:۔جہاں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ارشاد فرمائیں گے۔

سوال:۔آپ لجنہ اماء اللہ جرمنی کے نام کوئی پیغام دینا پسند کریں گے؟

جواب:۔میں جرمنی کی لجنہ کے لئے پیغام حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے بابرکت الفاظ میں دینا پسند کروں گا۔

یوں تو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی طرف سے خطوط کا ایک پر فیض سلسلہ جاری تھا اور ان خطوط پر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے دستخط بھی ثبت ہوتے تھے تاہم کبھی کبھی پیارے آقا جذبات پر قابو پا کر بنفس نفیس قلم تھامتے اور اپنے دست مبارک سے ہمیں خطوط تحریر فرماتے تو تحریر شروع ہوتے ہی ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے اور آپ کے آنسو چھلک چھلک کر لفظوں میں ڈھلنے لگتے۔ خاکسار کی اہلیہ کے نام ایسے ہی ایک خط میں آپ کے پر درد اور پر سوز جذبات نے تحریر کا لبادہ یوں اوڑھا!

۳۱-۰۳-۱۳۶۵

۱۹۸۶ء

پیاری عزیزہ بیٹی طاہرہ الیاس

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس عظیم الشان ابتلاء کے تاریخی دور میں تمہیں میرے مولا نے عزم و ہمت اور صبر و رضا کا پیکر بنانے کے لئے چن لیا۔ غم کے لباس میں رضائے باری تعالیٰ کی بے بہا خلعت تمہیں عطاء کی گئی۔ درد و الم کی چادر کے پردے میں اللہ تعالیٰ کی لازوال رحمتوں اور برکتوں کے سائے نے تمہارے سر کو ڈھانپ لیا۔ آج ثبات قدم تمہارے پاؤں کی جھانجھن ہے۔ قربانی اور ایثار تمہارے بدن کے زیور ہیں۔ نور ایمان تمہارے ماتھے کا جھومر ہے۔ میرا پیارا الیاس تمہارا سرتاج ہے۔ اللہ تمہارا سرتاج تمہارا الیاس سلامت رکھے۔آمین

میں جانتا ہوں کہ شہادت اور پھر ایسی عظیم شہادت ایک قابل صد رشک سعادت ہے لیکن میں یہ بھی جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ ظاہری جان لئے بغیر بھی لازوال زندگی عطا کر سکتا ہے۔ وہ مالک اور قادر اور قدیر اور مقتدر ہے۔ اسمعیلی قربانی اپنی آن بان اور شان میں اس بنا پر کم تو نہیں ہو گئی کہ "قد صدقت الرؤیا" کی پر شوکت آواز نے اسمعیل کی گردن پر چلنے والی چھری کی حرکت سلب کر لی۔ پس میرا بھکاری دل اگر مالک کون و مکان سے اپنے پیارے الیاس اور نعیم اور ناصر اور رفیع کے لئے اس دنیا کی بھیک بھی مانگتا ہے اور آخرت کی بھی تو تعلیم قرآن کے منافی تو نہیں۔ ہم تو گداگر ہیں۔ راہ مولا کے گداگر۔ جب تک ہمارا آقا آخری تقدیر ظاہر نہیں فرماتا ہم رب انی لما انزلت الیٰ من خیر فقیر کی صدا بلند کرتے رہیں گے اور جب وہ تقدیر خیر کو ظاہر فرما دے گا تو وہ جس بھیس میں بھی آئے ہم حمد و شکر کے ترانے گاتے ہوئے اس کا خیر مقدم کریں گے۔ مومن کا تو کوئی سودا بھی نقصان اور خوف اور حزن کا سودا نہیں۔ ہمیں لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون کی معرفت کا جام لبالب پلایا گیا ہے۔

میری پیاری طاہرہ بیٹی جس طرح آج میں تمہیں اور تمہارے بچوں کو اور پیارے الیاس کے سب پیاروں کو اور راہ مولا میں دکھ اٹھانے والے اپنے دوسرے سب عزیزوں کو نعیم کو اور ناصر کو اور رفیع کو اور ان سب کو دیکھ رہا ہوں جو پس زنداں عہد یوسفی کی یادوں کو زندہ کر رہے اور حسن یوسف کی شمعیں فروزاں کئے ہوئے ہیں۔ جب میں ان کو اور ان کے ہجر میں تڑپتے ہوئے ان کے سب عزیزوں اور پیاروں کو بڑے فخر اور درد میں ڈوبی ہوئی محبت کی نظر سے دیکھتا ہوں تو بے اختیار میرے دل سے یہ دعا نکلتی ہے ۔ میں کیا میری محبت کی نظر کیا اے میرے مولا اے میرے مالک میرے معبود میرے مسجود خدا تو خود ان کو اپنی دائمی محبت کی نظر سے سرفراز فرما اور دنیا اور آخرت کی حسنات سے ان کے ظروف بھر دے اور نسلا بعد نسل ان کی اولاد در اولاد کو اپنے فضلوں اور رحمتوں اور برکتوں سے سرفراز فرماتا رہ۔

اللھم صلی علی محمد و آل محمد و بارک وسلم انک حمید مجید

والسلام

خاکسار

مرزا طاہر احمد

اپنے پیارے بلند نصیب بچوں کو گود میں بٹھا کر میرے دل کا پیار پہنچا دو۔

اپنے ابا اور امی کو بہت بہت محبت بھرا سلام اللہ نے تم سب کو قابل رشک استقامت بخشی ہے۔

(نقل بمطابق اصل تحریر کی گئی ہے۔)

شعبہ اشاعت لجنہ اماء اللہ جرمنی محترم مکرم محمد الیاس منیر صاحب کا بے حد ممنون ہے کہ انہوں نے خاکسارہ کی درخواست پر بے حد مصروفیت کے باوجود اپنا قیمتی وقت رسالہ خدیجہ کے ہجرت نمبر کے لئے نکالا اور انٹرویو کی صورت میں اسیری اور ہجرت کے مختصر حالات بتائے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے اہل خانہ کو اپنے خصوصی فضلوں اور رحمتوں سے نوازے ۔ آمین ۔ کوثر شاہین ملک :
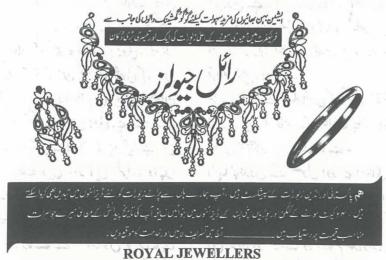
تحریر ہدایت اللہ ہبش
ترجمہ فرہاج مراد ملک

ہجرت کا خصوصی انداز

جب ایک شخص جو مسلمان نہیں اسلام میں داخل ہوتا ہے تو کیا اسے ہجرت کا ایک خصوصی انداز کہا جا سکتا ہے؟ انسان کہہ سکتا ہے کہ وہ شخص دوزخ سے جنت میں آ گیا ہے۔ یہ قدرتی امر ہے کہ اسلام کے مخالفین اس تبدیلی کو بالکل پسند نہیں کرتے اور ان کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ وہ نئے مسلمان کو اس کے عقیدہ سے روگردان کر دیں۔

سب سے پہلے ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اس شخص سے متعلقہ محبت، لگاؤ، دوستی اور مدد جیسے جذبوں سے انکار کر دیں جو اس سے قبل جب وہ ان میں سے تھا وہ اس کو انکی طرف سے نصیب ہوتے تھے۔ یہ نیا مسلمان ان تمام لوگوں کو جو اس کے لئے کبھی بے حد اہم ہوتے ہیں کھو دیتا ہے۔ وہ اسے جائیداد سے بھی محروم کر دیتے ہیں۔ اس کے ماں باپ اسے ٹھوکر مار دیتے ہیں۔ وہ اسے اپنے خاندانی فنکشنز میں دعوت نہیں دیتے۔ اور ہر قسم کے مسائل اس کو درپیش ہونے لگتے ہیں۔

نمبر دو اس کے پرانے دوست ہر ممکن طریقے سے اس کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام صحیح راستہ نہیں ہے۔ نئے مسلمان کو لحہ بہ لحہ مخالفین کی تحریری جنگ اور ہر قسم کے پراپیگنڈا کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسلام کے مخالفین بلا جھجک اسلام کے خلاف جھوٹی باتیں گھڑ لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ اس لئے ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ ان کو اسلام کی سمجھ بوجھ نہیں ہوتی۔ کیونکہ انہوں نے اسلام کے متعلق من گھڑت جھوٹی کہانیاں سنی ہوتی ہیں جس کی وجہ سے وہ اسلام کی سچائی کو پہچان نہیں سکتے اور ان کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ وہ نئے مسلمان کو جو ان کے لئے تکلیف کا باعث بن گیا ہے اس کو صراط مستقیم سے بھٹکا دیں اور اپنی طرف واپس لائیں۔ اس طرح سے نیا مسلمان بھی پہلے مسلمانوں کی طرح انہی تجربوں سے گزرتا ہے جن تجربوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مسلمانوں کو گزرنا پڑا یعنی اپنی جائیدادیں، رشتہ داریاں اور دوستیاں ترک کر کے ان کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کرتے تھے۔

ایک اور مشکل نئے مسلمان کی راہ میں بوجہ اس ہجرت کے یہ ہے کہ "اس کا تمام گرد و پیش تبدیل ہو جاتا ہے" وہ حسب معمول کلبوں میں نہیں جا سکتا اور نہ ہی شراب خانوں میں شراب پینے کے لئے جا سکتا ہے۔ وہ تمام چیزیں جو وہ بچپن سے کھاتا چلا آیا ہے اس کے لئے ممنوع ہو جاتی ہیں۔ وہ شراب نہیں پی سکتا اور مخصوص تہوار بھی نہیں منا سکتا جو یورپ کی خصوصیت ہیں مثلاً سالگرہ منانا وغیرہ۔

نئی مسلمان عورت کو اسلامی ضوابط کو مدنظر رکھتے ہوئے اور قرآن پاک کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے لباس کے انتخاب کی ذمہ داری ادا کرنا پڑتی ہے جس کی بدولت نئی مسلمان عورت پرانی دنیا میں بخوبی پہچانی جاتی ہے۔ بسا اوقات اسے لوگوں کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ وہ دوسری خواتین کے برعکس اپنے آپ کو حدود میں رکھتی ہے۔ نئے مسلمان مرد یا عورت کی اس ہجرت یعنی پرانے عقاید سے اسلام میں آنے کا یہ مطلب بھی ہے کہ اب اس کے روز مرہ کے کاموں میں نماز کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ اس کے لئے یہ اکثر اوقات کٹھن مرحلہ ہو جاتا ہے کیونکہ دفتری اوقات، فیکٹریوں اور یونیورسٹی میں اس کے لئے مقررہ اوقات میں نماز ادا کرنے کا موقعہ فراہم نہیں ہو پاتا۔

مزید براں نئے مسلمانوں کو اکثر و بیشتر غیر مسلموں کے ذہنوں میں اسلام کے خلاف پلنے والی غلط فہمیوں کے حملوں کا شکار بھی ہونا پڑتا ہے۔

انتہا پسندوں کے فضول اور غیر اسلامی امور کے سرانجام دینے پر بھی نئے مسلمانوں کو مورد الزام قرار دیا جاتا ہے۔ خصوصاً وہ انتہا پسند جو اپنے آپ کو زار مسلم کہلاتے ہیں لیکن در حقیقت وہ احکام خداوندی پر عمل نہ کرنے والے ہیں اور اپنے نظریات کو شدت کے ساتھ دوسروں

پر ٹھونسنا چاہتے ہیں۔

نیا مسلمان ایک نوزائیدہ بچے کی طرح ہی ہوتا ہے۔ یہ نوزائیدہ بچہ ایک لحاظ سے گردوپیش کے سرد و گرم سے غیر محفوظ اور انجان ہوتا ہے۔ عملی طور پر وہ چل نہیں سکتا اور نہ ہی وہ اپنا نقطہ نظر وضاحت کے ساتھ بیان کر سکتا ہے۔ اسے بہت کچھ سیکھنا پڑتا ہے۔ یہ تو درست ہے کہ خدا تعالیٰ مسلمانوں کا دوست ہے اور خصوصاً ان کا دوست ہے جو اس کی رضا کو مدنظر رکھ کر یہ ہجرت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان نئے مسلمانوں کے لئے ایسے فرشتے بھیج دیتا ہے جو ان کی راہنمائی کرتے ہیں لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے کہ اس نے انسان کو ماننے یا نہ ماننے کے لئے آزاد چھوڑا ہوا ہے۔ شک اور سوال نئے مسلمان کی روز مرہ زندگی کا حصہ بن جاتے ہیں اس کو اپنی نئی منزل سے آشنا ہونے کے لئے وقت درکار ہے اور اس کو ان مسائل پر قابو پانے کے لئے اپنے نئے مذہبی دوستوں مذہبی بہنوں اور ہم مذہب بھائیوں کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔

بقیہ تاریخ انبیاء

اس دور میں مسلمان مہاجرین کا ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کے وقت تعاقب کیا گیا۔ آج بھی مسلمانوں کے علماء کفار مکہ کے ہم آواز ہو کر کہہ رہے ہیں کہ ہم احمدیوں کا تعاقب ہر جگہ کریں گے۔

آج احمدیوں پر ہونے والے مظالم کی تاریخ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے ساتھ دہرائی جانے والی تاریخ ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو۔ قرآن کریم نے اس کی خبر سورۃ جمعہ میں پہلے سے دے دی تھی۔ فرمایا!

وآخرین منھم لما یلحقوا بھم

پس جس طرح ابتدائی دور کے مسلمانوں کی اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی۔ اور ان کی تکلیفوں اور دکھوں کو فتوحات میں بدلا۔ ہمارا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ احمدیوں کے دکھوں اور تکلیفوں کو اپنے فضلوں کی بے شمار بارش برساتے ہوئے اور عظیم فتوحات کے دروازے کھولتے ہوئے تبدیل کر دے گا۔ انشاء اللہ

بقیہ داغ ہجرت

کشفی بیان کے مطابق ہوئی اور اس کے نتیجہ میں آسمان کا نور احمدیت کی شکل میں تقریباً ڈیڑھ صد ممالک میں ظاہر ہو رہا ہے اور مبلغین سلسلہ اور اشاعت لٹریچر کے ساتھ ساتھ مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ کے ذریعہ تمام اکناف عالم میں احمدیت یعنی حقیقی اسلام کا روحانی پیغام پہنچایا جا رہا ہے۔

بقیہ ہجرت کی برکات

اس مضمون میں تحریر کی ناپختگی الفاظ کا ناموزوں استعمال اور بے محل اور ٹوٹے پھوٹے جملے خاکسارہ کی ذہنی ناپختگی اور کم علمی کو ثابت کرتے ہیں لیکن مقصد صرف اپنا مدعا بیان کرنا ہے جو یوں الفاظ کی صورت میں صفحہ قرطاس پر بکھر گیا بقول شاعر!

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

مہاجرین کی ذمہ داریاں

قدیم سے سنت اللہ بھی چلی آئی ہے کہ وہ ہر ایک امت میں نبی بھیجتا ہے اور وہ قوم عموماً اس نبی کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

" اور ان کے پاس کوئی نبی نہ آتا تھا کہ جس سے وہ ہنسی نہ کرتے ہوں۔ "

(سورۃ زخرف آیت ۸)

اور

" ہائے افسوس (انکار کی طرف مائل) بندوں پر کہ جب کبھی بھی ان کے پاس کوئی رسول آتا ہے وہ اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ "

(سورۃ یسین آیت ۳۱)

لیکن انبیاء ایسے حالات میں ثابت قدم رہتے ہیں اور اپنی قوم کو ہدایت کو طرف بلاتے اور ہوشیار کرتے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود جب شریران قوم کی طرف سے دکھ دینے اور ایذا رسانی کی حد ہو جاتی ہے تو خدائے حکیم کی طرف سے ہجرت کا حکم آ جاتا ہے۔ پھر جب نبی اور اس کی پیرو کار ہجرت کر جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت کے ساتھ کامیابیوں، کامرانیوں اور ترقیوں کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بیان فرماتا ہے کہ!

" اور جن لوگوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا اللہ کے لئے ہجرت اختیار کی (ہمیں اپنی ذات کی قسم ہے کہ) ہم انہیں ضرور دنیا میں اچھی جگہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو اور بھی بڑا ہو گا۔ کاش یہ (منکر اس حقیقت کو) جانتے۔ "

(سورۃ النحل آیت ۴۲)

ہجرت کے ساتھ ہی مومنوں پر بہت ساری ذمہ داریاں اور فرائض عائد ہو جاتے ہیں۔ جو کہ ان کی جماعت کی ترقی کا باعث بنتے ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

" اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ قوموں کا بعث کرتا ہے اور ہجرت سے اس بعث کا آغاز ہوتا ہے......... مومنوں اور کافروں کا جدا کرنا کامل ترقی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ "

(تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۱۲۱)

ہجرت کے وقت مومن اپنا وطن، گھر بار، مال اسباب، رسم و رواج غرضیکہ ہر چیز چھوڑ کر بالکل ایک نئی جگہ جا کر خدا تعالیٰ کی خاطر قیام کرتا ہے۔ جہاں کا ماحول، لوگ، زبان، رسم و رواج اس کے لئے بالکل اجنبی ہوتے ہیں۔ لیکن ایک مومن کا کام چونکہ لوگوں کو خدا کی طرف بلانا ہوتا ہے اور اسی غرض کے تحت وہ ہجرت بھی کرتا ہے تو ان سب مشکلات کو دیکھ کر وہ گھبراتا نہیں بلکہ ایک نئی اور اجنبی قوم کو دیکھ کر پیغام حق پہنچانے کے لئے اس کے اندر ایک نیا جذبہ اور جوش و ولولہ پیدا ہوتا ہے اور اس کو اب پیدا ہونے والی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے۔

اگر ہم اس سلسلے میں مثالیں اور واقعات ڈھونڈنے لگیں تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم تک کا زمانہ بھرا پڑا ہے لیکن آئیے ہم آج کے اپنے دور کا جائزہ لیں کہ خدا تعالیٰ نے ہجرت کے بعد کس طرح تائید و نصرت فرمائی اور اس کے نتیجے میں ہم پر کیا ذمہ داریاں اور فرائض عائد ہوتے ہیں۔

جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ہمیں دو ہجرتوں کا ذکر ملتا ہے پہلی ہجرت جو کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے دور میں قادیان سے ربوہ ہوئی اور دوسری ہجرت وہ جو ہمارے پیارے امام حضرت مرزا طاہر احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے مبارک دور میں ربوہ سے لندن ہوئی۔ ہجرت کا منشاء چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جماعت کو ترقی دینا ہوتا ہے اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں ہجرتوں کے بعد جماعت احمدیہ نے کس قدر ترقی کی۔ قادیان کی ہجرت کے متعلق حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ!

" جوں جوں حالات میں تغیر پیدا ہوتا ہے مومن کا ایمان بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ گویا کوئی تغیر اس کے قدم کو سست اور اس کے ایمان کو کمزور نہیں کرتا بلکہ ہر نیا تغیر اس کی طاقت اور قوت کو بڑھانے والا ہوتا ہے۔ ہم اپنی جماعت میں بھی دیکھتے ہیں کہ جب بھی کوئی تغیر پیدا ہوا اس کے نتیجہ میں ہمیشہ جماعت نے ترقی کی ہے۔ کتنا بڑا صدمہ تھا جو قادیان سے نکلنے پر جماعت کو پہنچا .... مگر اب دیکھو قادیان سے نکل کر ہماری جماعت کو کتنی بڑی طاقت حاصل ہوئی ہے .... سلسلہ کے کاموں میں جس قدر ترقی اور زیادتی ہوئی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ "

(تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۳۴۹)

اور دوسری ہجرت جو ربوہ سے لندن ہوئی اس کے بعد جو تائیدات الہیٰ کے نشانات اور نصرت الہیٰ نازل ہوئی ہے وہ کسی مضمون کی مرہون منت نہیں بلکہ ہم سب کا آنکھوں دیکھا حال ہے اور جس کو ہم روز دیکھتے ہیں۔ لیکن میں چند خاص انعامات الہیہ کو پیش کر کے ذمہ داریوں اور فرائض کی طرف توجہ دلانا چاہتی ہوں۔

سب سے پہلے تو محبت، ایثار اور قربانی کا جذبہ ہے جو خدا تعالیٰ نے جماعت کو عطا کیا ہوا ہے۔ جس کا ثبوت جماعت کا مالی قربانی میں ہر سطح پر روز بروز اضافہ ہونا ہے۔ پھر MTA (مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ) کا انعقاد جماعت احمدیہ کی ترقی اور کامیابی کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے بے شمار بوسنین مسلمانوں کو جماعت احمدیہ میں شمولیت کی توفیق حاصل ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ اور دوسرے ممالک کے لوگوں کو جماعت احمدیہ میں شمولیت کی توفیق ملی ہے۔

خدا تعالیٰ کے ان ترقیات کے علاوہ بھی بے شمار احسانات ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔

چونکہ ہم نے بھی خدا تعالیٰ کی خاطر ہجرت کی ہے اور اس کے انعامات کا روز مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کی طرف ہی لوگوں کو دعوت دینا ہماری زندگی کا مقصد ہے تاکہ سب لوگ وہ فضائل اور انعامات حاصل کر سکیں جو ہمیں حاصل ہیں۔ یعنی کہ دعوت الی اللہ ہمارا سب سے پہلا فرض بنتا ہے۔ دعوت الی اللہ کے لئے سب سے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ ہم جس ملک میں رہتے ہیں اس ملک کی زبان سیکھیں۔ اس ملک کے رسم و رواج کو سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ اس ملک کے لوگوں کے ساتھ بات چیت کر سکیں۔ پھر ہم ان کو دین حق کی طرف بلائیں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم خود اپنے دین کا علم رکھتے ہوں۔ پھر استقلال، ایثار اور دعا کے ساتھ تبلیغ پر قائم رہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ اس مضمون کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ!

" چند علمی رنگ میں بحثیں کرنے والے

آدمیوں کا پیدا ہو جانا کسی جماعت کی زندگی
کے لئے کافی نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی ضروری
ہوتا ہے کہ قربانی اور ایثار کا مادہ ان میں
زیادہ سے زیادہ پایا جاتا ہو۔ وہ مرکز سے
وابستگی رکھتے ہوں اپنی تعلیم کی اشاعت
کے لئے ہر مشکل کو برداشت کرنیوالے
ہوں اور یہ جذبہ اپنے دلوں میں رکھتے
ہوں کہ ہم مر جائیں گے مگر اس تعلیم کو
ہم نہیں چھوڑیں گے جس کو لے کر ہم
کھڑے ہوئے ہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۵۳۳)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تبلیغ صرف چند آدمیوں کا کام نہیں بلکہ ہم سب کا فرض ہے۔ اس کے بعد دوسری بڑی ذمہ داری ہمارے نو احمدی جرمن اور بوسنین اور دوسرے ممالک کے بہن بھائیوں کی تربیت کی ہے۔ اور اس اصول کو تو ہم سب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خطبات کے ذریعہ سے اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ کسی کی تربیت کرنے سے پہلے اپنی تربیت کرنا ضروری ہے۔ تاکہ ہم دوسروں کی تربیت کرنے کے اہل بن سکیں۔ یہ ایک طرح سے ہم پر فرض ہو گیا ہے کہ ہم اپنی تربیت کریں کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہم پر دوسروں کی تربیت کا فرض عائد کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی ہم سب جانتے ہیں کہ فرض سونپے جانے کے بعد اس کی جوابدہی بھی ہوتی ہے۔ ایسے ہی اگر ہم نے اپنے فرض کو ادا کرنے میں کوتاہی برتی تو خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہوں گے۔

جہاں اور بہت سے فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں وہاں ایک خاص فرض صرف اور صرف عورتوں کے لئے ہے۔ اور وہ فرض پردہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ جس تیزی کے ساتھ یہاں پر پردہ کے ذریعہ سے تبلیغ ہو سکتی ہے کسی اور ذریعہ سے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اب روز بروز ہماری ناصرات اور لجنہ کی تعداد میں جو کہ سکولوں، یونیورسٹیوں اور کام کی دنیا میں قدم رکھ رہی ہیں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اگر ہم ان تمام شعبوں میں اسلامی وقار کے ساتھ پردہ کو قائم کر کے تبلیغ کریں تو بہت مثبت نتائج نکل سکتے ہیں۔ ظاہر ہے جب ہم پردہ کریں گی تو خود بخود ہی باقی کی اسلامی تعلیمات پر بھی عمل کریں گی۔ تو لوگوں کو اسلام کا پتہ چلے گا اور یہاں جو اسلام کی بھیانک تصویر قائم ہے وہ خود بخود ٹوٹنی شروع ہو جائے گی۔ پردہ کے سلسلہ میں ہمیں پیارے امام کا یہ قول مد نظر رکھنا چاہئیے کہ!

"یہ احمدی مستورات کا فرض ہے کہ دنیا
پر ثابت کر دیں کہ باوجود پردہ کی حدود
کے اندر رہتے ہوئے ہم کسی بھی طرح ترقی
کرنے اور نیکیوں کے کرنے سے محروم
نہیں۔"

ہر ملک کے رہنے سہنے کے کچھ طریقے اور آداب ہوتے ہیں۔ یہاں پر جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ صفائی کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اس لئے ہمیں چاہئے کہ اپنے گھر، جسم، کپڑوں اور ارد گرد کے ماحول کو صاف ستھرا رکھنے کی کوشش کریں اور اسی طرح اپنی مجالس میں بھی ایک صاف ستھرا اور نظم و ضبط کا ماحول پیش کریں یا تاکہ آنے والے مہمان اچھا اثر لے کر جائیں۔ آپ نے یہ بھی دیکھا ہو گا کہ یہاں پر ہر بات ایک طے شدہ پلان کے مطابق وقت پر ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ قوم اتنی ترقی یافتہ ہے۔ ہمیں بھی چاہئیے کہ اپنے گھروں اور مجالس میں وقت کا خیال رکھیں اور خصوصاً مجالس کا ایک پروگرام پہلے سے ترتیب دے لیا کریں تاکہ موقع پر افراتفری پیدا نہ ہو اور نظم و ضبط قائم رہے تاکہ مجالس کامیاب ہوں۔

بہت چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں جو کہ ماحول کے مطابق مختلف ہوتی ہیں جن کا اگر خیال رکھا جائے تو تبلیغ میں

بہت کار آمد ثابت ہوتی ہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ زبان آنا سب سے ضروری بات ہے اور یہ عورتوں کے لئے بھی ایسے ہی ضروری ہے جیسے کہ مردوں کے لئے۔ اور عورتیں یہ بہانہ بھی نہیں کر سکتیں کہ تبلیغ کرنا صرف مردوں کا کام ہے۔ کیونکہ ہر احمدی کا فرض ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کرے۔ اس لحاظ سے خواتین بھی ایسے ہی مخاطب ہیں جیسے کہ مرد۔ جب آپ کو زبان آتی ہو گی تو آپ لوگوں کو گھر پر دعوت دے کر تبلیغ کر سکتی ہیں۔ زبان نہ آنے کی وجہ سے انسان بہت سے خدمت خلق کے کاموں سے محروم رہ جاتا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ عورتوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"عورتیں اسی طرح دنیا کی راہ نمائی کر سکتی ہیں جس طرح مرد کرتے ہیں اور عورتیں اسی طرح دنیا کی بدیاں دور کر سکتی ہیں جس طرح مرد کرتے ہیں۔ عورتوں میں اور مردوں میں دین کے معاملہ میں کوئی بھی فرق نہیں۔ عورتیں بھی مردوں کی طرح ہی دین کی خدمت کر سکتی ہیں۔ پس تم یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ خدا تعالیٰ نے مرد اور عورت میں ایک جیسی قوتیں رکھی ہیں۔ مرد کمال حاصل کر کے خدا تک پہنچ سکتے ہیں تو عورتیں بھی پہنچ سکتی ہیں۔ مرد تبلیغ کر سکتے ہیں تو عورتیں بھی کر سکتی ہیں۔ مرد دنیا کی راہ نمائی کا موجب ہو سکتے ہیں تو عورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ ہاں فرق ہے تو صرف اتنا کہ مرد اپنے حلقہ کے اندر تبلیغ کر سکتے ہیں اور عورتیں اپنے حلقہ کے اندر۔"

(اوڑھنی والیوں کے لئے پھول صفحہ ۵)

اس حوالے سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ عورتوں کے لئے تبلیغ کرنا کتنا ضروری ہے۔ اور ہم پر تو ہجرت کی وجہ سے دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ویسے تو دعوت الی اللہ ہمارا کام ہے ہی لیکن ہجرت کی وجہ سے اور زیادہ فرض ہو گیا ہے۔

خدا تعالیٰ ہمیں اپنے فرائض کو سمجھنے، ذمہ داریوں کو بطریق احسن پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم اس آیت کے مستحق بن سکیں۔

"اور جن لوگوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا اللہ کے لئے ہجرت اختیار کی (ہمیں اپنی ذات کی قسم ہے کہ) ہم انہیں ضرور دنیا میں اچھی جگہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو اور بھی بڑا ہو گا۔ کاش یہ (منکر اس حقیقت کو) جانتے۔"

(سورۃ نحل آیت ۴۲)

در حقیقت تو ہماری زندگی کا مقصد آخرت کا اجر پانا ہی ہے جا۔

(صفورہ ممتاز بنز ہائیم)

باغ احمد کا حسین و خوشبودار پھول

حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ

قریشی فیروز محی الدین سویڈن

مولانا شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ کے متعلق مضمون پڑھ کر میرا ذہن آج سے ۴۸ سال قبل ۱۹۴۴ء کے قادیان دارلامان کی طرف لوٹ گیا اور بعد دیگرے عاجزی اور انکساری کے اس پیکر کی صحبت میں گذارے ہوئے شب و روز کی یاد دل میں چٹکیاں لینے لگی۔ اس فرشتہ سیرت انسان کی خوبیوں کا احاطہ مجھ جیسے کوتاہ قلم کے لئے ممکن نہیں تاہم نو نہالان جماعت کے ازدیاد ایمان کے لئے چند چشم دید واقعات پیش خدمت ہیں۔

۱۹۴۴ء میں دو سالہ ملازمت سے مستعفیٰ ہونے کے بعد یہ عاجز لاہور سے دینی تعلیم کے حصول کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں قادیان حاضر ہوا۔ حضور نے سورۃ بقرہ کا پہلا رکوع حفظ کر کے اگلے روز پھر ملاقات کی مجھے ہدایت فرمائی۔ تعمیل ارشاد کے بعد جامعہ احمدیہ کی سپیشل کلاس میں داخلہ دیا گیا۔ والد صاحب مرحوم و مغفور نے لاہور سے روانگی کے وقت صحبت صالحین اختیار کرنے کی تلقین فرمائی تھی۔ چنانچہ حضرت پیر منظور محمد صاحب موجد قاعدہ لیسرنا القرآن ، حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب حضرت سید مختار احمد صاحب شاہجہان پوری اور حضرت مولانا شیر علی صاحب رضوان اللہ علیہم جیسے بزرگوں سے اکثر ملاقات رہتی موخر الذکر ان دنوں انگریزی ترجمۃ القرآن میں مصروف تھے ۔ جماعت میں ان کے مقام و مرتبہ کی بلندی کا اندازہ اس امر سے باسانی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جب سفر پر روانہ ہوتے تو مولانا موصوف کو امیر مقامی مقرر فرماتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی عدم موجودگی میں خطبہ جمعہ کے لئے جب یہ منبر پر چڑھتے تو ہر سیڑھی پر دیر تک ذکر الہیٰ میں مصروف رہتے۔ نماز میں امام ہوتے تو بچوں اور بوڑھوں کا خیال کر کے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق نماز پر تھوڑا وقت لگاتے اور جب اکیلے نماز پڑھتے تو میں نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ مثلاً نماز مغرب کی دو سنتوں پر آدھا گھنٹہ سے بھی زیادہ صرف کرتے وہ اس طرح کہ نماز کے ہر ہر جملہ کو کئی کئی بار دہراتے مثلاً

الحمد للہ رب العالمین

الحمد للہ رب العالمین

الحمد للہ رب العالمین

دہراتے ہی چلے جاتے اور بارگاہ ایزدی میں حضوری کے لطف سے محظوظ ہوتے رہتے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک ایک جملے کو بیسیوں دفعہ دہرایا جائے تو وقت لگتا ہے۔ بسا اوقات مغرب کی دو سنتوں کی ادائیگی کے بعد نماز عشاء کی اذان ہو جاتی ۔ مسجد مبارک میں نماز باجماعت کی ادائیگی کی پوری کوشش فرماتے اگر کسی وجہ سے تاخیر ہو جاتی تو مجھ جیسے کسی کو ساتھ لیجا کر مسجد اقصیٰ میں جماعت کراتے۔

انکساری

طبیعت میں عاجزی اور انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور اس امر میں کوئی مبالغہ نہیں کہ یہ ان کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سفر پر جاتے ہوئے کسی امر کو بڑے زور سے بیان کرنے کے لئے تاکید فرمائی۔ سفر سے واپسی پر حضور نے از راہ شفقت فرمایا کہ معلوم ہوا ہے کہ مولانا نے اپنے طریق کے مطابق نرم لہجہ میں خطبہ دیا۔ ہاں یہ

ضرور ہے کہ ہر چند جملوں کے بعد " میں بڑے زور سے یہ بات کہتا ہوں کہ " کے الفاظ دہراتے رہے۔
انکساری کا یہ عالم تھا کہ مانے ہوئے بزرگ ہونے کے باوجود جب لوگ انہیں دعاؤں کے لئے لکھتے تو ان کے اسماء اور حاجات کی لسٹیں بنا کر دوسرے بزرگوں کو بھی دعاؤں کی درخواست کرتے۔ مجھے کئی دفعہ مولانا کے ساتھ بہشتی مقبرہ قادیان دعا کے لئے جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا دعا کریں اللہ تعالیٰ خاندان حضرت خلیفہ اول کے دل میں خاندان حضرت مسیح موعودؑ سے ایسی ہی محبت پیدا کر دے جیسی حضرت خلیفہ اولؓ کے دل میں حضرت مسیح موعودؑ سے تھی۔ ساتھ ہی فرمایا اس کا دوسروں سے ذکر نہ کرنا تا کہ بعد میں آنے والے اس سے کوئی غلط نتیجہ نہ نکالیں۔ میری جماعت کے ہر بہی خواہ سے عاجزانہ درخواست ہے کہ وہ سبھی حضرت مولانا مرحوم و مغفور کا مخاطب سمجھ کر پورے الحاح کے ساتھ دعا کر کے حضرت مولانا کی روح کو خوش کرنے کا موجب ہوں۔

یہاں میں یہ بیان کر دوں کہ حضرت مولانا کے منع کرنے کے باوجود میں نے اس کا ذکر اس لئے کر دیا ہے کہ ایک دفعہ کسی سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو جب میں نے یہ بات لکھی تو حضور نے الفضل میں اسے شائع کروا دیا۔ اس لئے یہ راز اب راز نہیں رہا۔ میری غرض اس کے بیان کرنے سے یہ ثابت کرنا ہے کہ حضرت مولانا حد درجہ کے انکسار پسند تھے۔ میری حیثیت ان کے مقابلہ میں محاورۃ نہیں بلکہ حقیقۃ طفل مکتب سے زیادہ نہ تھی۔ اتنے پایہ کے بزرگ کا مجھ جیسے گناہ گار کو دعا کے لئے کہنا ان کے علو مرتبت کی بین دلیل ہے۔ ان کے اخلاق کریمانہ پر روشنی ڈالنے والا ایک اور واقعہ یہ ہے کہ جن دنوں حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ محترم منشی محمد دین صاحبؓ واصل الباقی سے چہل احادیث اور اسکی اسناد کا درس لیا کرتے تھے (یعنی ایسی چالیس احادیث جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سینہ بسینہ موصوف تک پہنچیں اور آپ کو محدث کا مقام حاصل ہوا) حضرت مولانا نے ازراہ لطف و کرم اور ذرہ نوازی سے اس عاجز کو شرف تلمیذ بخشا اور بڑی باقاعدگی سے اسباق دیتے رہے۔ پہلے سند یاد کرنی ہوتی تھی جو اس طرح تھی کہ بیان کیا مجھ سے حضرت مولوی شیر علی صاحب نے انہوں نے سنا منشی محمد دین صاحب واصل الباقی سے انہوں نے سنا حضرت میر محمد اسحاق صاحب سے انہوں نے سنا شیخ عبدالغنی مجددی مدنی سے انہوں نے سنا .... انہوں نے سنا حضرت علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس الخبر کالمعاینۃ .... سبق کے لئے مقررہ اوقات کے علاوہ بھی جب کہیں ملاقات ہوتی احادیث سننے سنانے میں وقت گذرتا۔ ایک دفعہ نماز عید کے بعد گلے ملے اور ایک دوست کے ساتھ ٹیک لگا کر فرمانے لگے آؤ اللہ کے رسول کی باتیں کریں۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے حضرت مولوی صاحب سے حدیث کے اسباق لینے والا پہلا شاگرد بننے کی توفیق بخشی میرے بعد کئی ایک اور احباب کو بھی احادیث حفظ کرانے کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت مولانا کے اپنے خدام سے حسن سلوک کا یہ عالم تھا کہ بخار کی وجہ سے دو روز مسجد نہ جا سکا تو ملاقات نہ ہونے پر یہ مشفق اور مہربان ہستی از خود مزاج پرسی کے لئے جامعہ احمدیہ کے ہوسٹل میں تشریف لائی اور صحت کے لئے دعا فرمائی۔

قادیان سے ہجرت کے بعد ایک دوست کو فراق قادیان میں روتے دیکھ کر

نہ بھر آئیں فراق قادیاں میں ضرورت تھی کہ پھر مومن کے جوہر
نہ ہو مصروف یوں آہ و فغاں میں عیاں ہوں میدان تیغ و سناں میں

خدا کے کام بے حکمت نہیں ہیں خدا نے تب اسے باہر نکالا
ہوا ہے مبتلا تو کس گماں میں نہ چاہا وہ رہے امن و اماں میں

ترقی پا نہیں سکتے کبھی بھی ہمارا قادیاں اک بوستاں ہے
پڑیں مومن نہ جب تک امتحاں میں ہم اس کی بوئے خوش ہیں اس جہاں میں

پنپتی ہیں مصائب ہی میں قومیں یہ فطرت کے مخالف ہے کہ خوشبو
یہی سنت رہی ہے ہر زماں میں رہے محدود صحن گلستاں میں

شدائد سے مصائب سے نہ گبھرا ہوا پورا نشان داغ ہجرت "
یہی تو مرحلے ہیں امتحاں میں خدا دیکھا ہے ہم نے اس نشاں میں

جہاد زندگی کا ایک پہلو مقدس داغ ہے رہے مرے دل پر
مکمل ہو چکا تھا قادیاں میں نہ اڑ جائے کہیں آہ و فغاں میں

عدو ہر سو شکستیں کھا چکا تھا تو سمجھا ہم پراگندہ ہوئے ہیں
دلائل میں برائیں میں بیاں میں میرے نزدیک ہم پھیلے جہاں میں

جہاد زندگی کا دوسرا رخ ظفر گر ہوں حقیقت بین نگاہیں
چمک سکتا نہ تھا دارالاماں میں بہاریں ہی بہاریں ہیں خزاں میں

(مکرم مولانا ظفر محمد ظفر مرحوم سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ *
مرسلہ محمد شریف خالد جرمنی)

پردہ کی روح

قرآن پاک کی سورۃ النور آیت ۳۲ میں خدا تعالیٰ مومن عورتوں کو حکم دیتے ہوئے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ مومن عورتوں سے کہہ دے کہ اے خدا کو راضی رکھنے والی عورتو تم اپنی آنکھیں نیچی رکھا کرو۔ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کرو اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کیا کرو سوائے اس کے جو آپ ہی آپ بے اختیار ظاہر ہوتی ہو اور اپنی اوڑھنیوں کو اپنے سینے پر سے گزار کر اور اس کو ڈھانک کر پہنا کرو۔ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے جو ہمارا خالق ہے کیا اس سے بڑھ کر کوئی ہے جو ہماری خیر چاہے گا۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی ہے جو ہمارا درد رکھے گا یا ہماری بھلائی چاہے گا۔ عام لوگوں کا خیال ہے بے چاری مسلم عورت کتنی مظلوم ہے اور خاص طور پر پردے کو تو بہت ہی مظلومیت سمجھا جاتا ہے اس مضمون میں واضح کرنے کی کوشش کرتی ہوں کہ اسلام میں پردہ کا حکم دے کر خدا تعالیٰ نے عورت کو کیا مقام بخشا ہے ایک مثال سے واضح کرتی ہوں۔

جولیا اپنے بالوں کا ایک خوبصورت سٹائل بناتی ہے ایک خوبصورت کپڑوں کا جوڑا زیب تن کرتی ہے پیارا سا میک اپ کرتی ہے وہ سب کچھ اس لئے کرتی ہے تاکہ جب وہ گھر سے باہر نکلے تو دوسروں کو پیاری لگے اور خاص طور پر پیٹر کو پیاری لگے جو اسی کا محبوب ہے۔ اپنے محبوب کی پسند کا وہ خاص طور پر خیال رکھتی ہے ۔ اپنے بالوں کے سٹائل میں اپنے لباس میں کہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنے محبوب پیٹر کو لبھا سکے اور ایک مسلمان عورت جو پوری شرائط کے ساتھ جن کو خدا نے حکم دیا ہے پردہ کرتی ہے تو اس کا محبوب اس کا خدا ہے وہ سوچتی ہے میرے خدا نے میرے لئے یہ پسند فرمایا ہے کہ جب میں گھر سے باہر نکلوں تو اپنی زینتوں کو غیر مردوں کی نگاہوں سے بچایا کروں ، اترا اترا کر ناز نخرے سے اٹھلا اٹھلا کر نہ چلا کروں تا نا محرموں کو لبھاؤں سو اس پر کوئی پابندی نہیں کہ وہ اپنے کام کاج سے باہر نہ نکلے وہ ہر کام کر سکتی ہے لیکن اس حد کے اندر جو اس کے محبوب نے اس کے لئے مقرر کر دی ہے۔

میری بہنوں اب میں جولیا کے محبوب اور اپنے محبوب کا موازنہ کرتی ہوں ۔ پیٹر کا کیا بھروسہ آج جولیا کے ساتھ دوستی ہے تو کل لنڈا اسے جولیا سے زیادہ لبھانے والے انداز اپنائے تو پیٹر جولیا کو چھوڑ کر لنڈا کی طرف مائل ہو جائے اگر فرض کرو آخر تک وفا بھی کرتا ہے تو مر کر تو تمھیں چھوڑ ہی جائے گا ۔ مانا تمھارے لئے دنیا کا کچھ سامان تعیش بھی چھوڑ جائے جو تم بھی مرنے کے بعد اس دنیا میں ہی چھوڑ جاؤ ۔ مرنے کے بعد بہر حال ہر ایک نے خدا کے پاس جانا ہے۔ اب ایک مسلمان عورت جو دنیا میں خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر پردہ کرتی رہی جب وہ مرنے کے بعد خدا کے حضور حاضر ہو گی تو عقل کی بات ہے اس کا سواگت خدا تعالیٰ بھی محبت سے کرے گا کہ یہ میرے لئے دنیا میں جس طرح میں نے اس کو حکم دیا مانتی رہی سو وہ وعدہ کے مطابق اپنے حکموں پر چلنے والوں کو جنت میں داخل کر دے گا اور جنت کوئی عارضی ٹھکانہ نہیں ہے بلکہ دائمی ہے دنیا کے عیش و عشرت سب عارضی ہیں جو مرنے کے بعد ہمیں چھوڑ جانے ہیں۔ اب آپ خود سوچ لیں کون سی عورت فائدہ میں رہی اور کس کے لئے دائمی اور افضل مقام ہے۔ اس دنیا میں بھی احکام الہٰی پر چلنے والی عورت ہر گز گھاٹے میں نہیں خدا تعالیٰ اس کو تسکین قلب کی دولت عطاء فرماتا ہے جس کے لئے سونے کے محل کی بھی ضمانت نہیں ہے۔

(مسز نعیمہ شاہین نیشنل سیکریٹری تبلیغ)

آخری قسط

تحریر کوثر شاہین ملک

سفر، ہمسفر اور وہ منزل حسین

اندھیری ٹائلٹ ، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔ گھر والوں نے کہا یہ بالٹی بھر کر اندر دے آئیں اور اس ڈونگے سے پانی ڈال لیں۔ فلش کا حسین تصور دھڑام سے آن گرا مگر اتنا ہی غنیمت جانا کہ پانی سے بہا دینے کا انتظام تو موجود تھا ورنہ بچوں کو بے حد دقت ہوتی۔ چولھا جب تک تو جلتا رہا کمرہ گرم رہا جیسے ہی چولھا بجھایا کمرے میں سردی کی لہر دوڑی اور ہم سب رضائیوں کے باوجود ٹھٹھرنے لگے۔ آہستہ آہستہ باری باری سب نے اپنے سویٹر پہنے کانوں پر مفلر لپیٹے ۔ ہاتھوں پر دستانے چڑھائے جرابوں پر جرابیں پہنیں کہ کسی طرح سردی کم ہو۔ رات گئے تک جیسے جیسے مہمانوں کی بسیں آئیں پورا قادیان اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھا جو دل کو گرما دینے کا سماں تھا۔ دل تو چاہا کہ اسی وقت اٹھ کر باہر جائیں مگر اندھیری گلیوں، کتوں اور سردی کے خوف سے بستروں میں ہی دبکے رہے۔

صبح ناشتے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بازار سے جا کر لوٹا لائے۔ کچھ گلاس ، پلیٹیں اور چمچ لائے تا کہ گھر والوں سے ادھار مانگ کر شرمندہ نہ ہوں۔ گیارہ بجے کے قریب گھر سے باہر نکلے اور بہشتی مقبرہ کا رخ کیا۔ قادیان کے جنوب کی جانب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے باغ میں سے ایک حصہ وقف کر کے ۲۰/ دسمبر ۱۹۰۵ء کو خدائی مصلحت کے تحت بہشتی مقبرہ کا قیام فرمایا۔ یہ امر خصوصی طور پر قابل ذکر ہے کہ آپ کے جلیل القدر صحابی حضرت مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی کی انہیں دنوں وفات ہو گئی۔ چنانچہ سب سے پہلے بہشتی مقبرہ میں ۲۷/ دسمبر ۱۹۰۵ء کو ان کو دفنایا گیا۔ بہشتی مقبرہ میں داخل ہو کر اہل القبور کو السلام علیکم کا نذرانہ عقیدت پیش کیا اور سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار کی زیارت کی ۔ عجیب سماں تھا۔ ہاتھ دعا کے لئے اٹھے ہوئے تھے اور آنسوؤں کا ایک سیلاب رواں تھا ۔ قرب و جوار کے مناظر سے بے نیاز دل و دماغ تشکر ، خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات سے پیدا ہونے والی ایک عجیب اور ناقابل وضاحت کیفیت سے دوچار تھا۔ دعا ختم کرنے کو من نہ چاہتا تھا۔ پیارے مسیح کے مزار کی زیارت ایک معجزہ ہی لگتا تھا۔ اس حسین منزل پر پہنچنے کی کب سے تمنا تھی۔ یہ تو تصور میں بھی نہ تھا کہ صد سالہ جوبلی کے پر مسرت موقعہ پر اس خواب کی تعبیر مل جائے گی۔ مزار مسیح علیہ السلام کی زیارت کے بعد دل میں ٹھنڈک سی محسوس ہونے لگی۔ من ہلکا پھلکا سا لگا اور آنکھوں کے راستے ایک عجیب سی چمک جسم میں سرائت کرتی چلی گئی۔ من کی تمام آلائشیں ختم ہوئی محسوس ہوئیں اور تجدید دین و تجدید عہد کی جو کیفیت پیدا ہوئی اور روح کی تسکین کا باعث ہوئی اس کو الفاظ میں بیان کیا جانا مشکل ہی نہیں بلکہ نا ممکن ہے۔ یہ تو وہی جانے جو اس کیفیت سے گذر آیا ہو۔

حضرت حکیم الامت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پہلو میں دفن ہیں۔ آپ کی خوش نصیبی پر ہزار بار رشک آیا کہ ایسے قربانیاں دینے والے جانثار و باوفا وجود ہزاروں سالوں میں ایک بار جنم لیتے ہیں۔ خدا ان سے راضی ہوا اور وہ خدا سے راضی ہوئے۔ خدا ان کی روح پر کروڑوں رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے اور ایسے وجود اپنے فضلوں سے بار بار پیدا کرتا رہے۔ حسب استطاعت اس فدائی مسیح موعود علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں

میں کھڑے ہوئے اور دعا کی۔

مزار مسیح علیہ السلام کے سامنے افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام دفن ہیں۔ ان سب کے مزاروں پر فرداً فرداً دعا کی۔ اور پھر باہر کے حصہ میں دعا کی۔ بہشتی مقبرہ میں جگہ جگہ سایہ دار درخت لگے ہوئے ہیں جو اس کی خوبصورتی میں اضافہ کا باعث ہیں۔ بہشتی مقبرہ کے ایک خالی حصہ میں پاکستان کی جماعتوں کے کیمپ لگے ہوئے تھے۔ وہاں جا کر اپنے عزیزوں سے ملاقات کی۔ سترہ سال کے بعد ربوہ والا سماں دکھائی دیا۔ کیمپوں میں پرالی پر بستر جمائے سب عزیز و اقارب اپنی اپنی بولیوں میں مصروف نظر آئے۔ وہاں سے فارغ ہو کر بازار کا رخ کیا۔ مختصر سا بازار جس میں ہر ضرورت کی چیز دستیاب تھی۔ آدھ گھنٹے کے راؤنڈ میں بازار کا چکر مکمل ہو گیا۔ ایک حصہ احمدیوں کی دکانوں پر مشتمل تھا جہاں پکوڑے تلے جا رہے تھے اور مچھلی فرائی ہو رہی تھی۔ رنگا رنگ کی دکانیں اور بکسٹال سجے ہوئے تھے۔ الیس اللہ بکاف عبدہ کے الفاظ سے کندہ انگوٹھیوں اور ہاروں کی دکانیں تھیں جن پر خریداروں کا بے انتہا رش تھا۔ ہندوؤں کی دکانیں زیادہ تر کپڑے ، سونے کے زیورات اور کریانے کی تھیں۔ تعصب سے پاک ہر خریدار کو دل کی گہرائی سے پر خلوص جذبات سے خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ سہ پہر کے قریب ہمارے کزن ڈاکٹر حامد ڈینٹیسٹ مل گئے جو اپنی ڈیوٹی پر متعین تھے۔ ان سے پتہ پوچھ کر خالو جان اور ان کی امی کو ملنے گئے۔ مدتوں سے بچھڑے عزیز رشتہ دار جوبلی کے جلسے کی برکت سے آپس میں مل رہے تھے۔ الحمد للہ

شام کو ہم اپنی قیام گاہ میں اسی طرح لوٹے جس طرح تمام دن دانا دنکہ چگنے کے بعد پرندے اپنے گھونسلوں کی طرف۔ قادیان کی ان تنگ گلیوں میں سے گزرتے ہوئے بھی ایک قدرتی سرور اور سکون حاصل ہو رہا تھا۔ اہل خانہ جن کے ہاں ہمارا قیام تھا اجنبی ہونے کے باوجود اپنے ہی لگے کیوں کہ اپنائیت اور خلوص کے جذبات سے سرشار کھلے دل کے مالک تھے۔ انہوں نے بڑے تپاک سے ہمیں خوش آمدید کہا۔ تمام دن کی کاروائی پوچھی اور چائے بنا کر پیش کی۔ شام کو ٹی وی پر جونہی فلم لگنے کا وقت ہوا لاڈی صاحب کی بہنیں اور والدہ کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔ فلم دیکھنے کے ساتھ ساتھ ہلکی پھلکی گفتگو کا تبادلہ بھی جاری رہا۔ ہمارے دل میں انقباض سا ہو رہا تھا کہ انہوں نے تو اس وقت روزانہ ہی یہ پروگرام دیکھنا ہو گا اور ہم نے جلسہ کے پروگرام پر گھر واپس آ کر تبصرہ کرنا ہو گا۔ دونوں پروگرام ٹکراتے ہوئے دکھائی دیئے۔ بحر کیف ایک خیال بجلی کی طرح ذہن میں کوندا۔ ان سے درخواست کی کہ آپ ٹی۔ وی دوسرے کمرے میں بے شک لے جائیں تا کہ آپ ڈسٹرب نہ ہوں آخر آپ کے مردوں نے بھی یہ پروگرام دیکھنے ہوں گے۔ اگرچہ ہمیں اپنی یہ درخواست " اونٹ کی زبردستی " ہی معلوم ہو رہی تھی مگر اس کے سوا چارہ بھی نہ تھا۔ شکر خدا کہ انہیں یہ رائے بہت پسند آئی اور وہ وقفے کے دوران ٹی ۔ وی دوسرے کمرے میں لے گئیں۔ اسی اثنا میں ہم نے بزرگی کا لبادہ اوڑھے ان کے اہل خانہ کے بارے میں تفاصیل پوچھنی شروع کیں کہ کتنے بیٹے ہیں ؟ کتنی بیٹیاں ہیں ؟ اور آخری سوال جو پوچھا کہ ان کے پتا جی ؟ کیونکہ دو روز سے ان کی آواز نہ سنی تھی ۔ لاڈی صاحب کی والدہ نے ان کے پتا جی ! کہہ کر کچھ توقف کیا اور ہم نے نازک صورتحال کو سنبھالنے کے لئے اعلیٰ پنجابی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچھ افسردگی کے ساتھ کہا " پتا جی گزر چکے ہیں کیا ؟ " (یعنی وفات پا چکے ہیں کیا ؟) والدہ لاڈی بولیں ہنیں جی پتا جی جندا ایں کھیتاں پہ گئے ایں ۔ (ہنیں جی پتا جی زندہ ہیں کھیتوں پر گئے ہوئے ہیں)، ویک اینڈ پر گھر آتے ہیں۔ ہم نے تہ دل سے اس گڑبڑی کی معذرت کی۔

ایک اور مسئلہ درپیش ہوا کہ ان کے گھر ایک لمبا چوڑا

کتا بھی تھا جو نہ صرف ہما کو بلکہ ہما کی امی کو بھی ڈرانے کے لئے کافی تھا۔ لہذا بے حد معذرت کرتے ہوئے ان سے مزید درخواست کی کہ اس کا کچھ حل کیا جائے۔ بچپن سے ہی کتے، بلی کا خوف سر پر سوار ہے اور وراثت میں ہما کو بھی ملا ہے۔ انہوں نے کمال فراخ حوصلگی سے حل نکالا کہ جب آپ لوگ گھر آجایا کریں گے ہم اس کو بند کر دیا کریں گے۔ شکر خدا کا بھی اور ان کا بھی کیا۔ اب ایک نئی صورتحال سامنے آئی کہ کتے کو بند کرنے سے پہلے ان کی بیٹی اس کو پانی پلانے نلکے کے پاس لے گئی اور اسی تسلے میں پانی پلا دیا جو برتن دھونے کے کام آتا تھا۔ ہمارے ایمان کے مطابق تو وہ برتن اب ناپاک تھا جبکہ ہندوؤں اور سکھوں کے ایمان کے مطابق اس کتے میں کسی انسان کی روح بھی ہو سکتی ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر کیا کہ یہ واقعہ ہم نے دیکھ لیا ورنہ ممکن تھا کہ ہم بھی اسی تسلے کو استعمال کرتے۔ اور پھر اپنے مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے پر بھی خدائے رحیم و کریم کا شکر ادا کیا کہ اس قسم کی بدعتوں سے بچے ہوئے ہیں۔ لہذا بھاگم بھاگ برتن دھونے کے لئے ایک بالٹی اور تسلہ بھی بازار سے خرید کر لائے۔

۲۶/ دسمبر بروز جمعرات خدا تعالیٰ کے فضل سے جلسے کا آغاز ہوا۔ ۲۶/ دسمبر کو افتتاحی تقریب کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو جمعرات کی بجائے جمعہ لگا۔ بہر کیف عجیب سماں تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ لجنہ کے ٹینٹ میں تینوں دن کمال کا نظم و ضبط تھا۔ بے شمار بچوں والی ممبرات لجنہ اماء اللہ جو کہ تین تین دن گاڑی کا سفر کر کے پہنچی تھیں۔ ان میں ناخواندہ ممبرات کی بھی کثرت تھی۔ ان میں ایسی خواتین بھی تھیں جو اردو کا ایک لفظ نہیں جانتی تھیں اور ان میں ایسی خواتین بھی تھیں جو ٹھٹھرتی سردی میں بچوں کو ننگے پاؤں اور نیکروں کے ساتھ لائی ہوئی تھیں۔ مگر اللہ کی شان دیکھیں نہ تو سردی سے تنگ آکر وہ بولتی تھیں نہ الفاظ کے نہ سمجھ آنے پر باتوں میں لگتیں۔ انتہائی خاموشی سے گھنٹوں بیٹھ کر ایک ہی پوزیشن میں انہوں نے پروگرام کو سنا۔ یعنی بلا مبالغہ انہوں نے پہلو بھی نہیں بدلا نہ ہی وہاں کی انتظامیہ نے بے شمار ممبرات کو نظم و ضبط کی ڈیوٹی پر متعین کیا ہوا تھا نہ ان کے ہاتھوں میں بیشمار خاموشی اختیار کریں کے پوسٹرز دیکھے۔ ہاں دو وجوہات اس نظم و ضبط کی اس ناقص سمجھ میں آئیں کہ ایک تو صدر صاحبہ لجنہ اماء اللہ قادیان کا طریق تربیت بے حد انوکھا ہے کہ سب میں کمال کا نظم و ضبط ہے اور دوسری وجہ جو سمجھ میں آئی وہ خلیفہ وقت کی آواز سے اپنے دلوں کو گرما رہے تھے۔ حضور اقدس سے محبت کا بھرپور اظہار ان کے چہروں کو بے حد پر نور کئے ہوئے تھا۔ حتیٰ کہ بروز جمعہ سہ پہر لجنہ میں خطاب کے دوران اگر کسی ماں کا بچہ ایک منٹ کے لئے بھی کھڑا ہونا چاہتا تو اس کی ماں اسے بازو سے گھسیٹ کر اسی جگہ بٹھا دیتی۔ حالانکہ نہ الفاظ ماں کو سمجھ آرہے تھے نہ بچے کو۔ میرے دل کی گہرائیوں سے دو دعائیں نکلیں کہ اے خدا تو ان کی غربت کی انتہا کو اپنے خاص فضلوں اور رحمتوں سے دور کر اور دین کی محبت کے ساتھ ساتھ انہیں مالی فراخی بھی عطا کر اور دوسری یہ دعا نکلی کہ یورپ میں بسنے والی احمدی ماؤں میں بھی یہ جذبہ پیدا کر کہ وہ اپنے بچوں کو دین سے ایسی ہی محبت کا سبق سکھا سکیں۔ آمین

پروگرام میں جب وقفہ ہوا تو حضور اقدس کی زیارت بھی چلتے چلتے راستہ میں ہو گئی کیونکہ سکیورٹی والوں نے راستہ بند کر دیا۔ حضور اقدس بے حد چاک و چوبند دکھائی دیئے اور چہرے پر نور کی بارش دیکھی۔ حضور اقدس گھر سے جلسہ گاہ کا راستہ روزانہ پیدل ہی طے کیا کرتے۔ یوں بہت سے لوگوں کے لئے حضور اقدس کے چہرہ انور کے دیدار اشرف کا انتظام خدائے قادر و قدیر نے خود ہی فرما دیا۔

جلسہ کے دوسرے روز ہی ہما کو تیز بخار ہو گیا۔ لاڈی صاحب کی والدہ نے ہما کو متبرک جل بھی پلایا یہ کہہ کر کہ اس کو فوری آرام آ جائے گا۔ ہما کی بیماری کی وجہ سے ہم تینوں بہنوں کو شفٹوں میں پروگرام سننا پڑا۔ دوسرے روز باجی کو ہم اپنے کمرہ ہی لے آئیں۔ ملک صاحب اور شاہ صاحب اپنے اپنے ملکوں کے گیسٹ ہاؤس میں ہی رہے۔ جس کا ایک نقصان بھی ہوا کہ ہم روزانہ مسجد میں صبح کی نماز نہ پڑھنے جا سکے۔ ہما بیمار، اندھیری گلیاں اگرچہ لاڈی صاحب نے کہا کہ مجھے اٹھا دیا کریں میں لے جایا کروں گا مسجد تک آپ کو۔ مگر ہم نے انہیں بے جا تکلیف دینی مناسب نہ سمجھی۔ گھر ہی نماز پر اکتفا کیا۔ باجی کے آنے پر ایک روز مسجد جانے کا موقعہ مل گیا۔ اسی روز وہاں رش کی وجہ سے عورتوں کی جوتیاں بھی گم ہوئیں۔ مسز منور عبد اللہ کی جوتی بھی گم ہو گئی جو دوسری منزل سے ملی۔

قادیان کے قیام کے دوران جو مختلف مقامات دیکھے وہ مختصراً درج ذیل ہیں۔

۱۔ بیت الریاضت

اس کمرہ میں جانے کے لئے حضرت اماں جانؓ کے صحن سے راستہ جاتا ہے۔ ۱۸۷۰ء میں جب خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک مجاہدہ کی طرف توجہ دلائی تو آپ علیہ السلام نے اسی کمرہ میں آٹھ نو ماہ متواتر روزے رکھے۔ یہاں خدا تعالیٰ نے آپ کو لطیف انوار الٰہیہ سے سرفراز فرمایا۔ ایک مرتبہ بیداری کے عالم میں سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت امام حسینؓ، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے اس کمرہ میں بہت ریاضت اور مجاہدہ کیا۔

۲۔ بیت الفکر

یہ وہ کمرہ ہے جو مسجد مبارک کے ساتھ ہی شمالی جانب میں ہے۔ بیت الفکر میں سے ایک کھڑکی مسجد مبارک میں آ کر کھلتی ہے۔ آپ علیہ السلام اسی کھڑکی سے مسجد میں تشریف لاتے۔ بیت الفکر کے دو کمرے ہیں لیکن اصل کمرہ وہ ہے جو مسجد مبارک کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ اور دوسرا کمرہ وہ ہے جس میں سے گزر کر بیت الدعا جایا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام جب بیت الدعا میں جاتے تو اسی بیت الفکر میں سے گزر کر جاتے۔ اسی کمرہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ۱۸۸۳ء میں ایک الہام ہوا کہ!

"کیا ہم نے ہر ایک بات میں تیرے لئے آسانی نہیں کی؟ کہ تجھ کو بیت الفکر عطا کیا۔"

اسی کمرہ میں آپ نے اپنی معرکتہ الاراء کتاب براہین احمدیہ لکھی جس کی حجت آج تک تمام مذاہب پر قائم ہے اور کسی کو طاقت نہیں کہ وہ اس کا جواب دے سکے۔

۳۔ بیت الدعا

بیت الدعا کی بنیاد پیارے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۳/ مارچ ۱۹۰۳ء بروز جمعہ بعد نماز جمعہ رکھی۔ اس میں داخل ہونے کے لئے چار سیڑھیاں ہیں جو لکڑی کی ہیں۔ اس کمرہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسلام کی شان ظاہر کرنے کے لئے اور امن اور سلامتی کے لئے بہت دعائیں کیں ہیں جو کہ ہمیشہ مستجاب رہیں گی۔ اس کمرے کے اخراجات ایک مخلص مرید شیخ رحمت اللہ صاحب مالک بمبئی ہاؤس لاہور نے ادا کئے۔ یہ جگہ دعا کرنے والوں سے ہمیشہ پر رہتی ہے۔ یہاں سے دن رات درویشوں کے علاوہ مہمانان قادیان کی آہ و فغاں خدا کے حضور پہنچتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کی دعائیں قبول فرمائے۔ آمین

۴۔ بیت العافیت

حضور علیہ السلام کے گھر کا یہ وہ حصہ ہے جو بیت ام ناصر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دوسری منزل پر واقع ہے۔ تیسری منزل پر دو بڑے کمرے صحن اور غسل خانہ

ہے۔ اس کمرہ میں بھی حضور علیہ السلام نے خصوصاً بیماروں کے لئے کثرت سے مستجاب دعائیں کیں۔

۵:۔ حجرہ حضرت اماں جان:۔

بیت الدعا کے مغربی جانب والے دروازہ کی طرف سے نکل کر مغرب کی طرف جانے پر یہ حجرہ آتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے حقیقت الوحی اور چشمہ معرفت اسی کمرہ میں لکھیں۔ آپ نے جو آخری سفر لاہور کا کیا اس وقت آپ اسی کمرہ سے نکل کر گئے۔ اس کمرہ کے مشرقی دروازہ سے ہی آپ بیت الدعا کی جانب تشریف لے گئے۔ مشرقی دروازہ کی چٹخنی آپ نے اپنے دست مبارک سے بند کی تھی جو آج تک اسی طرح بند چلی آرہی ہے۔

۶:۔ گول کمرہ

مسجد مبارک کے مشرقی جانب ایک کمرہ ہے یہ مسجد مبارک کے بعد تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ چونکہ گول کمرہ ہے اس لئے اسے گول کمرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ کمرہ شروع میں بطور مہمان خانہ کے استعمال ہوتا تھا۔ حضور علیہ السلام کی تصنیفات کے مسوادات بھی اسی کمرہ میں تیار ہوتے اور حضور اقدس اسی کمرہ میں مہمانوں سے ملاقات کیا کرتے۔

۷:۔ سرخی کے نشان والا کمرہ

سرخی کے نشان والے کمرہ کو حجرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس حجرہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۱۰/ جولائی ۱۸۸۵ء بعد نماز فجر قبلہ رخ چارپائی پر کروٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے کہ عالم کشف میں دیکھا کہ آپ نے بعض احکام قضا و قدر اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں کہ آئندہ زمانہ میں ایسا ہوگا اور اس کو دستخط کروانے کے لئے خدا جل و شانہ کے حضور پیش کئے ہیں اور خدا نے جو ایک حاکم کی شکل میں متمثل تھا اپنے قلم کو سرخی کی دوات میں ڈبو کر زائد سرخی کو چھڑکا اور بقیہ سرخی جو قلم پر رہ گئی تھی اس سے کتاب پر دستخط کر دیئے۔ ساتھ ہی وہ حالت کشف دور ہوگئی۔ آنکھ کھول کر جب دیکھا تو کئی قطرات سرخی کے تازہ بتازہ کپڑوں پر پڑے ہوئے تھے۔ یہ کرتا حضرت میاں عبد اللہ صاحب سنوری کے بے حد اصرار پر حضور علیہ السلام نے اس وعدہ کے ساتھ انہیں عطا کیا کہ یہ ان کے کفن کے ساتھ دفن کر دیا جائے تا کہ شرک نہ پھیلے۔ چنانچہ ۷/ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو حضرت میاں عبد اللہ سنوری کی وفات پر بروز جمعہ بہشتی مقبرہ قادیان میں سرخ نشان والا کرتہ دفن کر دیا گیا۔

۸:۔ کمرہ ولادت حضرت مصلح موعودؓ

یہ کمرہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیدائش والے کمرہ کے بالکل سامنے ہے اور سطحی الدار کے حصہ میں واقع ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے عین مطابق ۱۲/ جنوری ۱۸۸۹ء کو آپ کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام حضور اقدس نے مرزا بشیر الدین محمود رکھا جو بعد میں پیشگوئی مصلح موعود کے مصداق ہوئے۔

الدار کو دیکھ کر کسی بھی پر شکوہ حویلی کا گمان گزرتا ہے۔

۹:۔ مسجد اقصیٰ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کے دل میں خدا تعالیٰ نے مسجد بنانے کی تحریک کی۔ چنانچہ آپ نے دو بازاروں کے بیچ میں اونچے مقام پر مسجد کی بنیاد رکھی جس کو مسجد اقصیٰ کا نام دیا۔ شروع میں اس کے ۳ دروازے تھے۔ اس میں صرف دو سو افراد کے نماز پڑھنے کی جگہ تھی۔ اس میں توسیع ۱۹۱۰ء میں حضرت خلیفہ اولؓ کے زمانہ میں ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے خود بھی اپنے ہاتھ سے مٹی کی ٹوکریاں اٹھائیں۔ خلافت ثانیہ میں مزید توسیع کی گئی اور ۱۹۳۷ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس میں لاؤڈ سپیکر لگانے کا ارشاد فرمایا چنانچہ ۷/ جنوری ۱۹۳۸ء کو پہلی بار لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ ۱۹۷۴ء میں مسجد اقصیٰ میں مزید توسیع کی گئی۔ نو عدد کھڑکیوں میں جالی لگائی گئی۔ نماز جمعہ اور

پانچ وقت کی نمازیں بھی اسی مسجد میں ادا کی جاتی ہیں۔ اذان کے لئے منارۃ المسیح پر لاؤڈ سپیکر لگا ہوا ہے جس سے اذان کی آواز پورے قادیان کے گرد و نواح میں سنائی دیتی ہے۔

۱۰:- مسجد مبارک

اس مسجد کا دوسرا نام بیت الذکر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ۱۸۸۳ء میں اس مسجد کے بارے میں الہام ہوا کہ!

"کیا ہم نے ہر ایک بات میں تیرے لئے آسانی پیدا نہیں کی؟ کہ تجھ کو بیت الفکر اور بیت الذکر عطا کیا اور جو شخص بیت الذکر میں باخلاص و قصد بتقید صحت نیت و حسن ایمان داخل ہو گا وہ امن میں آ جائے گا۔"

بعد تعمیر مسجد مبارک اپنی پانچوں نمازیں اسی مسجد میں ادا کیا کرتے تھے۔ ۱۹۰۷ء میں اس مسجد کی توسیع کی گئی۔ ۱۹/ مارچ ۱۹۴۴ء کو خلافت ثانیہ کے دوران اس میں مزید توسیع ہوئی۔

۱۱:- مینارۃ المسیح

حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جب اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو مبعوث فرمائے گا تو ایک سفید مینارہ کے پاس دمشق کے مشرقی جانب اترے گا۔" اس تمثیلی کلام کو پورا کرنے کے لئے اپنے رہائشی مکانوں کے قریب مغربی جانب مسجد اقصیٰ میں جگہ منتخب کر کے مینار بنانے کی خواہش کا اظہار فرمایا تا کہ پیشگوئی پوری ہو جائے اس مینارہ کی تعمیر کے تین مقاصد تھے۔

۱:- اس میں پانچ وقت اذان دی جائے تا خدا کے پاک نام کی اونچی آواز سے دن رات میں پانچ دفعہ تبلیغ ہو۔

۲:- اس مینارہ کی دیوار کے کسی بہت اونچے حصے پر ایک بڑا لالٹین نصب کر دیا جائے گا۔ یہ روشنی انسانوں کی آنکھیں روشن کرنے کے لئے دور دور تک جائے گی۔

۳:- اس مینارہ کے اونچے حصہ پر ایک بڑا گھنٹہ جو چار پانچ سو روپیہ کی قیمت کا ہو گا نصب کر دیا جائے گا تا کہ انسان اپنے وقت کو پہچانے۔

واضح رہے کہ قادیان ضلع گورداسپور پنجاب میں ہے جو لاہور سے گوشہ مغرب اور جنوب میں واقع ہے۔ وہ دمشق سے ٹھیک مشرقی جانب ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ یہ مینارۃ المسیح بھی دمشق سے مشرقی جانب واقع ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۳/ مارچ ۱۹۰۳ء بروز جمعہ اس مینارۃ المسیح کا سنگ بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے مینارۃ المسیح کی تکمیل کی طرف خاص توجہ فرمائی۔ آپؓ نے ۲۷/ نومبر ۱۹۱۴ء کو اپنے دست مبارک سے اینٹ رکھ کر دوبارہ اس کام کو شروع کروایا۔ ۱۹۳۵ء میں مینار کے چاروں طرف چھوٹی اور بڑی طاقت کے بجلی کے دو دو قمقمے لگائے گئے تا کہ لوگ اس کی روشنی سے فائدہ حاصل کریں اور روحانی تاریکیاں ختم ہوں۔ ۳۹-۱۹۳۸ء کو خلافت جوبلی کی تقریب کے موقعہ پر مینار پر سنگ مرمر کا پلستر کروایا گیا جس سے اپنی سفیدی کے اعتبار سے بہت چمکنے لگا۔ سنگ مرمر کی سلیب چڑھانے کا کام (خلافت ثالثہ کے زمانے میں) دو سال جاری رہا اور ۱۹۸۲ء میں مکمل ہوا۔ اس پر تقریباً سات لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔

(اقتباس مرکز احمدیت قادیان صفحہ ۱۰۵ تا ۱۱۱)

صد سالہ جوبلی کے موقعہ پر مینارۃ المسیح کی سجاوٹ پر کسی خوبصورت دلہن کا گمان ہو رہا تھا۔ روشنی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ تمام قادیان مینارۃ المسیح کی روشنیوں سے بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ افسوس کہ دو تین بار اوپر جانے کی کوشش کی مگر ان اوقات میں دروازہ بند تھا۔

اسی طرح بازار بھی رات کے وقت اپنی مثال آپ تھا روشنیاں کہکشاں کی مانند جلتی بجھتی ناقابل فراموش سماں

پیش کر رہی تھیں۔ روزانہ ہی رات کو پورے بازار کا راؤنڈ لگا آتے۔ قادیان کے گوشے گوشے سے پیارے مسیح کی خوشبو آتی تھی۔ بہشتی مقبرہ جا کر وہاں سے واپسی کو دل نہ چاہتا تھا مگر لوگوں کی کثرت دیکھ کر وہان سے آنا ہی پڑتا تھا۔ بہشتی مقبرہ میں لگایا گیا فوارہ اس کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے۔ بہشتی مقبرہ میں لگی پھلواری اور آموں کے درخت بھی عجیب بہار کا سماں پیش کرتے ہیں۔

دفاتر باہر سے گزرتے گزرتے دیکھے۔ دارالحمد (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا ذاتی مکان) بیت النصرت (حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی کوٹھی) اور بیت الظفر (حضرت چوھدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی رہائش گاہ) بھی اندر سے نہ دیکھ سکے۔ باہر سے ہی دیکھ سکے۔

میری بیٹی ہما کی بیماری کی وجہ سے بہت سے دفاتر بھی نہ دیکھ سکے سو تمنا ہے کہ خدا تعالیٰ ایک بار پھر قادیان کی پیاری بستی میں لے جائے تو سکون و آرام سے سب جگہیں دیکھ سکیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایت پر درویشان قادیان کے لئے جو نئے گھر بنے ہیں ان میں ہر ماڈرن سہولت موجود ہے اور ان کے دل بھی مہمانوں کے لئے بے حد وسیع ہیں۔

بروز ہفتہ جلسہ بخیر و عافیت اختتام بذیر ہوا۔ اتوار کا روز قادیان میں ہی گزارا۔ پیکنگ کی گھر والیوں کو ہلکے پھلکے تحفے دیئے اور تہ دل سے ان کا شکریہ ادا کیا کہ پانچ چھ روز انہوں نے ہماری خاطر اپنی روٹین کو ڈسٹرب کیا۔ لاڈی صاحب اور ان کے بھائی نے ہمارے لئے دو ٹیکسیوں کا انتظام کیا اور صبح پانچ بجے ہمیں امرتسر کے لئے روانہ کر دیا تا کہ وہاں دہلی کی ٹرین لی جا سکے۔ جلسے کی خوشگوار یادیں لے کر امرتسر کی گاڑی میں بیٹھے۔ ناشتے کے لئے پوریاں اور چنے خرید کر کھائے۔ راستے میں دو چھوٹے چھوٹے بچے بوٹ پالش کرنے آگئے۔ پہلے وہ چھوٹے چھوٹے گیت لہک لہک کر سناتے اس کے بعد بوٹ پالش کروانے کے لئے کہتے۔ ان کی بے کسی پر بھی دل بے حد کڑھا۔ چنانچہ ان کو بھی بلا ضرورت بوٹ پالش کرنے کو دیئے۔ وہ خلاف توقع زیادہ معاوضہ لے کر بے حد خوش ہوئے۔ ملک صاحب نے ان کی تصویریں بھی بنائیں۔

گاڑی میں جب چیکر آیا تو اس کو ہم نے سیکنڈ کلاس کی بجائے فرسٹ کلاس کی سیٹیں بدلنے کو کہا تو کہنے لگا! کیوں پیسے ضائع کرتے ہیں سیٹیں ایک ہی طرح کی ہیں بس انکو ہی ریزرو کروا لیں اور اپنا ڈبہ لاک کر لیں۔ اس کے مشورے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سیٹیں ریزرو کروا لیں۔ گاڑی میں بیٹھے ابھی دو گھنٹے ہی ہوئے ہوں گے کہ جالندھر کا ریلوے اسٹیشن آیا ابھی سورج ہنیں نکلا تھا۔ گاڑی کو رکے ۱۵ منٹ سے زائد ہو چکے تھے سب مرد باہر کھڑے تھے۔ ملک صاحب نے ایک سکھ کے ہاتھ میں وسل دیکھ کر اس سے کہا۔ سردار صاحب ذرا سی وسل دیں۔ وہ کہنے لگے نا پاؤ گڈی چل جاؤ (نہ بھائی گاڑی چل پڑے گی) انہوں نے جب اصرار کیا تو اس نے زور سے وسل دی اور لوگوں کی طرف دیکھا۔ اگلے ڈبوں والے لوگ جلدی جلدی گاڑی میں سوار ہو گئے کہ شاید چیکر نے وسل دی ہے۔ مارے بوکھلاہٹ کے سردار صاحب خود بھی لپک کر گاڑی میں سوار ہو گئے۔ قریب کھڑے لوگوں نے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے پوچھا کہ سردار جی وسل بھی خود دی ہے اور ڈبے میں بھی سوار ہو گئے ہیں۔ وہ گھبراہٹ میں کہنے لگے "پاؤ گڈی چل جاؤ" (بھائی گاڑی چل پڑے گی) اس لئے سوار ہوا ہوں۔

تمام دن کا سفر طے کر کے رات نو بجے کے قریب دہلی اترے وہاں سے باجی نے اپنی ایک ہندو سہیلی کے گھر فون کیا۔ اتفاق کی بات کہ وہ گھر آ کر اترے ہی تھے۔ ایک ہفتہ سے وہ شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ باجی نے ان کو بتایا کہ ہم نو افراد ہیں اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے ہاں آ جائیں۔ انہوں نے کمال مہمان نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کھلے دل سے ہاں کی اور گھر کا پتہ ٹیکسی والے کو سمجھا دیا۔ ہم شرمندہ شرمندہ سے ان کی کوٹھی میں داخل ہوئے۔ انہوں نے فوراً کھانا بنایا اور میز پر لگا دیا۔ ہم ایک دوسرے کو پہلی بار مل رہے تھے مگر بیگانگی کا احساس تک نہ تھا۔ بے حد اپنائیت سے ملیں۔ ایک بیڈ روم اور ڈرائینگ روم انہوں نے ہمیں دے دیا اور کمال محبت کے ساتھ نو افراد کے لئے بستر بھی دیے۔ نہ ماتھے پر شکن نہ چہرے پر تھکن کے آثار۔ قادیان میں سکھ فیملی کے اعلیٰ اخلاق کے تو ہم قائل پہلے ہی تھے

یہاں ہندو فیملی سے مل کر بھی بے حد خوشی ہوئی اور احساس ہوا کہ حکومتی لیول پر کتنے ہیں اختلاف ہوں لیکن ہندو ، سکھ اور مسلمان آج بھی قلبی لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔یہاں بھی کتے کا مسئلہ درپیش تھا مگر اہل خانہ نے ہماری موجودگی میں اسے دوسرے کمرے میں بند رکھا۔ باوجود اس کے کہ ہم نے اہل خانہ کو اصرار کے ساتھ کھانا بنانے سے منع کیا مگر پھر بھی وہ ناشتہ اور شام کے کھانے کا بصد اصرار اہتمام کرتیں۔ سبزیاں کھانے کا بھی اپنا ہی لطف تھا۔

صبح صبح دونوں ٹیکسی والے دروازے پر آن کھڑے ہوئے۔ ان سے ۵۰۰ روپے روزانہ پورے دن کے طے کر لئے کہ وہ مختلف مقامات کی سیر کروائیں گے اور بازاروں میں بغرض شاپنگ لے کر جائیں گے۔ سب سے پہلے ہم نئی دہلی کے مشہور بڑے بازار کناٹ پیلس گئے جہاں مشہور شاپنگ سنٹر پالکا بازار ہے مگر پھر سوچا کہ پہلے تاریخی مقامات کی سیر کر لی جائے۔

قطب مینار:۔

دہلی کی اس سب سے بڑی یادگار جس کو خاندان غلاماں کے بادشاہ قطب الدین ایبک نے تقریباً ۱۲۰۰ عیسوی میں بنایا تھا۔ بڑی بارونق جگہ بن چکی ہے۔ جامع مسجد دہلی سے ۲۰ کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ انڈیا کا یہ پتھر سے بنایا ہوا مینار جس میں سنگ سرخ اور سنگ مرمر دونوں شامل ہیں سب سے اونچا مینار ہے جسکی اونچائی 72.5 میٹر ہے۔ اس میں 379 سیڑھیاں ہیں۔ شروع میں یہ سات منزلوں پر مشتمل تھا۔ ساتویں منزل ایک طوفان کی وجہ سے گر پڑی۔ چھٹی منزل احتیاطاً اتار لی گئی جو قرب و جوار میں رکھی ہے۔ مینار کی پانچوں منزلوں پر قرآنی آیات اور کلمہ طیبہ بڑے حروف میں لکھا ہے۔

جامع مسجد دہلی:۔

اس کے بعد جامع مسجد دہلی گئے۔ یہ مسجد شاہ جہاں شہنشاہ مغلیہ خاندان (جو انجینئر بادشاہ کے نام سے تاریخ میں مشہور ہیں) نے سولہویں صدی کے اختتام پر بنانی شروع کی اور سترہویں صدی کے اختتام پر مکمل ہوئی۔ جامع مسجد دہلی میں ۳ گنبدوں کے ساتھ دو مینارے ہیں جن پر چڑھ کر دہلی کی سیر کی جا سکتی ہے۔ درمیان میں وضو کرنے کے لئے ایک بڑا حوض ہے۔ جامع مسجد کی تکمیل کے بعد جب اس میں پہلی نماز جمعہ پڑھی گئی تو شاہ جہاں بادشاہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ حوض پر بیٹھے وضو کر رہے ہیں اور بہت خوش ہیں چنانچہ صبح اٹھتے ہی پہلا کام شہنشاہ نے یہ کیا کہ جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا اس جگہ ایک سنگ مرمر کا چبوترہ بنوا دیا۔ اس جگہ پر بیٹھ کر کسی کو وضو کرنے کی اجازت نہیں۔ آجکل چبوترے کے قریب ہی ایک نگران بیٹھا ہوتا ہے جو اپنی نگرانی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں کے نشانات کی زیارت بھی کرواتا ہے۔ ضروریات مسجد کے لئے لوگ اپنی خوشی سے کچھ نہ کچھ دے جاتے ہیں۔ بڑی ہی پر شکوہ مسجد ہے۔ ہزاروں ٹورسٹ روزانہ اس مسجد کو دیکھنے آتے ہیں۔

مزار حضرت ہرے بھرے شاہ صاحب

جامع مسجد کے ساتھ ہی اس وقت کے ولی اللہ حضرت ہرے بھرے شاہ صاحب کا مزار ہے۔ اس مزار کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مسجد کے داخلی دروازے کا محراب چند فٹ اونچا ایک جگہ سے ٹیڑھا رہ گیا جو کہ سیدھا نہ ہو سکا۔ شاہ جہاں نے حضرت ہرے بھرے شاہ صاحبؒ کی خدمت میں عرض کی یا حضرت دعا کریں کہ محراب کا ٹیرھا پن نکل جائے۔ آپ نے فرمایا اے بادشاہ آپ مسلمان نمازیوں میں سے کسی ایسے نمازی کو پکاریں جس نے تمام عمر تہجد کی نماز قضاء نہ کی ہو۔ شاہ جہاں کے پوچھنے پر تمام نمازی خاموش رہے۔ آخر شاہ جہاں بادشاہ خود آگے بڑھے اور پشت سے زور لگایا ساتھ حضرت ہرے بھرے شاہ صاحب نے دعا شروع کی۔ چند منٹوں میں معجزۂ خدا تعالیٰ نے اس کو سیدھا کر دیا۔

لال قلعہ دہلی:۔

اس کے بعد لال قلعہ دہلی دیکھنے گئے یہ بھی شاہ جہاں کے عہد میں ہی بنایا گیا۔ لال قلعے کا دیوان خاص دریائے جمنا کے کنارے تھا۔ یہاں تخت طاؤس جو لال قلعہ دہلی کی زینت تھا سونے کا تھا اب شاہان انگلینڈ کے تاجوں کی زینت بن گیا ہے۔ لال قلعے میں دیوان عام اور باغات بھی ہیں ۔ قلعے کے چاروں طرف بلند فصیل ہے جہاں کی بلندی پر دشمن کے خلاف مورچے بنے ہوئے ہیں اور توپ بندوقوں سے فائر کرنے کی جگہیں بھی بنی ہوئی ہیں۔ لال قلعہ کے اندر داخل ہوتے ہوئے ایک خرید و فروخت کے لئے بڑا بازار بن گیا ہے۔ جہاں سے

نقلی سونے کے زیورات ، قیمتی اور خوبصورت پتھروں کے ہار ڈیکوریشن کی چیزیں خریدی جا سکتی ہیں۔ لال قلعہ کی تاریخ کے متعلق شام کو ایک فلم شو ہوتا ہے۔ مگر وقت کی کمی کے باعث نہ دیکھا جا سکا۔ اس میں بادشاہ ملکہ ، شہزادوں ، شہزادیوں کے محلات کے علاوہ دربار ، عدالت اور ضروری دفاتر حکومت بنے ہوئے تھے۔ سارا ہندوستان اس قلعہ سے کنٹرول ہوتا تھا۔

ہمایوں کا مقبرہ

بابر بادشاہ کے بیٹے ہمایوں بادشاہ کا یہ مدفن ایک بہت بڑی تاریخی یادگار ہے۔ ہمایوں کی بیگم حمیدہ بانو نے اپنے خاوند کی یاد میں بنایا۔ یہ تین منزلہ وسیع و عریض قبر ہے۔ دوسری منزل پر بڑا وسیع صحن ہے اور اس پر ہمایوں اور دیگر شہزادوں اور شہزادیوں کے تعویز ہیں اصل قبریں پہلی منزل پر ہیں۔ دوسری اور تیسری منزل پر بھول بھلیاں ٹائپ کی گلیاں ہیں۔ بہادر شاہ ظفر آخری مغل بادشاہ نے انگریزوں سے بچنے کے لئے انہیں بھول بھلیوں میں پناہ لی جو بعد میں بصد وقت اسے گرفتار کر سکے ۔ بھول بھلیوں کے اوپر ایک بڑا گنبد ہے جو سنگ مرمر کا ہے ۔ ساتھ میں چھوٹے بڑے برج ہیں جہاں سے ساری دہلی کا منظر نظر آتا ہے۔ یہ پہلی مغل تعمیر ہے جو ۱۵۶۵ء میں مکمل ہوئی۔

صفدر جنگ کا مقبرہ

ہمایوں کے مقبرے کے بعد صفدر جنگ کے مقبرہ پر گئے۔ یہ مقبرہ مسلمان بادشاہوں کے مشہور وزیر کا مقبرہ ہے۔ نئی دہلی کے ائر پورٹ کا نام پہلے صفدر جنگ ائر پورٹ تھا جو اب اندرا گاندھی ائر پورٹ کے نام سے مشہور ہے۔ قطب مینار جامع مسجد ، لال قلعہ ، مقبرہ ہمایوں پر کوئی ٹکٹ نہیں جب کہ صفدر جنگ کے مقبرہ پر ٹکٹ لگا دیا گیا ہے۔

راجہ اشوک کمار کے لوہے کی لاٹ

یہ مسجد قوت الاسلام کے صحن میں قطب مینار کے قریب واقع ہے اور قطب مینار سے پہلے کی یادگار ہے۔ ۲۰ - ۲۵ فٹ اونچی ہے۔ ہندو مورخ کہتے ہیں کہ اشوک کمار کے وقت قطب مینار کی پہلی منزل تھی اور وہاں چڑھ کر دریائے جمنا جو گنگا کے بعد ہندوؤں کا متبرک دریا ہے۔ راجہ اشوک درشن کیا کرتا تھا۔

دہلی دروازہ

دہلی دروازہ دیکھا۔ دہلی میں داخل ہونے والے دروازے کو دہلی دروازہ کہتے ہیں جو مغلوں سے پہلے مسلمان بادشاہ بنا گئے۔

خونی دروازہ

یہ بھی دہلی کے گرد جو فصیل تھی اس کا بقایا حصہ ہے۔ اس پر بہادر شاہ ظفر کے شہزادوں کو قتل کر کے ایک بڑے تھال میں انگریز ان کے سر سجا کر بہادر شاہ ظفر کے پاس لائے تھے جس پر انہوں نے بے حد المیہ اشعار کہے۔

انڈیا گیٹ

یہ وہ یادگار دروازہ ہے جو انگریزوں نے پہلی جنگ عظیم میں مارے جانے والے فوجیوں کی یاد میں بنایا۔ یہاں پر انگریز لوگ دربار لگاتے ۔ ہندوؤں نے آزادی کے بعد یہاں ہی دربار جشن آزادی لگائے۔

مہاتما گاندھی کی سمادھی

یہ راج گھاٹ پر جمنا کے کنارے ہے۔ جہاں مہاتما گاندھی کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو ، اندرا گاندھی اور راجیو گاندھی کو ہندوؤں کے طریق پر جلا کر ان کی راکھ کو دفن کر کے سمادھی بنا دی گئی۔ صرف پنڈت جواہر لال نہرو کی راکھ ان کی وصیت کے مطابق تمام ہندوستان میں ایک طیارے کے ذریعہ بکھیر دی گئی۔

لوٹس ٹمپل

یہ بہائیوں کا مندر ہے۔ اس کی شکل کنول کے پھول کی طرح ہے۔ بے حد خوبصورت ٹمپل اور سیر گاہ بنائی گئی ہے۔ سرکس ٹائپ جگہ ، کھیل کے میدان ہیں جہاں بچے جھولوں جہازوں اور یورپین طرز کی کھیلوں سے محظوظ ہوتے ہیں۔ یہ بھی نئی دہلی میں ہے۔ اسے مکمل دیکھنے کے لئے کم از کم ۴ یا ۵ گھنٹے درکار ہیں مگر وقت کی کمی کے باعث ہر عمارت یا سیر گاہ میں بالترتیب ایک یا دو گھنٹے کا وقت صرف کر سکے۔ کیونکہ تمنا یہی تھی کہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ تاریخی عمارات دیکھ جا سکیں۔

درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ

ہمایوں کے مقبرے سے کچھ فاصلے پر یہ درگاہ ہے جو دہلی شہر میں سب سے بڑے ولی اللہ کی درگاہ مانی جاتی ہے۔ سینکڑوں لوگ

روزانہ اپنی مرادیں لے کر اس درگاہ پر آتے ہیں اور اپنے اعتقاد کے مطابق مرادیں پوری کروا کر جاتے ہیں۔ تمام ہندوستان سے زائرین یہاں آتے ہیں لاکھوں کا سالانہ عرس یہاں منعقد ہوتا ہے۔

مزار مرزا اسد اللہ خان غالب

درگاہ کے قریب ہی مرزا غالب کا مزار بھی ہے مگر افسوس کہ بند ہونے کی وجہ سے اندر نہ جاسکے۔ مارے عقیدت کے گیٹ پر ہی دعا کی۔ اور افسردگی سے آگے بڑھے۔ درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا میں داخل ہونے سے قبل زمین پر بیٹھے لوگ مختلف قسم کے پتھر بیچ رہے ہوتے ہیں جو انگوٹھیاں اور ہار بنوانے کے کام آتے ہیں۔

۳۰ اور ۳۱ دسمبر کو صبح سے شام تک دہلی کی مشہور تاریخی عمارات اور سیر گاہیں کھنگال لیں۔ ٹیکسی ڈرائیور بے حد مخلص تھے۔ انہوں نے ہمیں قلیل سے وقت میں بہت کچھ دکھا دیا جس پر ہم نے انہیں طے شدہ رقم سے ۱۰۰ روپیہ زیادہ دے دیا۔ اس پر وہ خوش ہوگئے۔

تاج محل

تاج محل دیکھنے کا دیرینہ خواب یکم جنوری ۱۹۹۲ء کو پورا ہوا۔ ٹورسٹ ویگن میں نو افراد کی ایڈوانس بکنگ کروائی جو گھر کے باہر سے ہی ہمیں لے گئی۔ ہم متھرا کے راستے سے جو ہندوؤں کا مقدس مقام حضرت کرشن جی اوتار کی جائے پیدائش و جائے بندت ہے سے گزرتے ہوئے آگرہ بعد دوپہر جا پہنچے۔ ایک ہندو گائیڈ ہماری بس کو پہلے لال قلعہ آگرہ لے گیا۔ گائیڈ بے حد تیز چلتا تھا اور ہر پانچ منٹ بعد نیا حکم صادر کر دیتا تھا۔ جب اس نے قلعہ کا دیوان خاص اور دیوان عام دکھانا شروع کیا اور مغلیہ تاریخ کو مسخ کر کے بتانا شروع کیا تو مجھ سے زیادہ دیر برداشت نہ ہوا۔ خصوصاً جب اس نے یہ بتایا کہ اورنگ زیب بادشاہ بہت متعصب تھا اس نے یہ سامنے والی مسجد صرف اکیلے نماز پڑھنے کے لئے بنائی تھی۔ میں نے اسے روک کر پوچھا کہ

اورنگ زیب کا ذریعہ معاش کیا تھا؟ تو کہنے لگا کہ قرآن شریف کے نسخے لکھ کر اور ٹوپیاں بیچ کر اپنی زندگی کے شب و روز گزارتا۔ سو میں نے وہیں اس کی گرفت کی کہ "جو شخص رزق حلال کماتا ہو اور شاہی خزانے سے ایک پیسہ بھی نہ لیتا ہو یا اپنی ذات پر خرچ کرنا حرام سمجھتا ہو وہ متعصب کیسے ہو سکتا ہے۔" گائیڈ ہماری برہمی کو سمجھ کر ٹھنڈے مزاج سے بولا "جی ہمیں تو گائیڈ بک میں یہی پڑھنے کو ملا ہے۔" تو میں نے اس سے کہا کہ آپ تو سینکڑوں سیاحوں کو مسلمان بادشاہوں کی تاریخ مسخ کر کے بتاتے ہیں یہ درست نہیں۔ گائیڈ کہنے لگا جی کیا کریں یہی روزی کا ذریعہ ہے۔ بھاگم بھاگ لال قلعہ (جس کے ٹکٹ بھی خریدے) دکھا کر گائیڈ تاج محل کی طرف لے گیا اور تمام راستہ گورنمنٹ کی دکانوں سے خریداری کرنے پر اصرار کرتا رہا۔ تاج محل سے بہت دور بس کھڑی کر دی اور ایک گھنٹے کا وقت دیا کہ تاج محل دیکھ کر جلد واپس آجائیں ورنہ بس چل پڑے گی۔ وہاں کی دکانوں سے قیدیوں کے بنے ہوئے بے حد خوبصورت بیڈ سیٹ، ساڑھیاں جو انگوٹھی میں سے گزر جاتی ہیں خریدیں۔ تاج محل خریدے جو بعد میں پتہ چلا کہ عام دکانوں کی نسبت بہت مہنگے تھے۔

خیر تانگہ لے کر ہم تاج محل پہنچے ٹکٹ خریدے۔ تاج محل سے ملحقہ عجائب گھر بھی وقت کی کمی کے باعث نہ دیکھا جا سکا۔ تاج محل کے بڑے دروازے کے قریب آئے اور دیکھا کہ چار صدیاں گزرنے کے بعد بھی تاج محل کی شان و شوکت اور آب و تاب ویسے ہی قائم ہے۔ دل خدا تعالیٰ کی تسبیح سے لبریز ہو گیا۔ تاج محل دنیا کے سات عجائبات میں شامل کیا جاتا ہے۔ بادشاہ شاہ جہاں نے اسے اپنی بیوی ملکہ ممتاز محل کی یاد میں محبت کا لافانی تحفہ نہ صرف اسے بلکہ دنیا کی دیا جہاں ہزاروں ٹورسٹ محبت کے اس نادر نمونے کو دیکھ کر دل باغ باغ کرتے ہیں باوجود اس کے کہ انگریزوں نے جا بجا لگے ہیرے جواہرات اس پر سے اتار لئے ہیں پھر بھی اس کی خوبصورتی میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ گائیڈ نے بتایا کہ شاہ جہاں اپنے لئے کالا سنگ مرمر کا تاج محل اسی تاج محل کے سامنے دریائے جمنا کے دوسرے کنارے بنوانا چاہتا تھا مگر بد قسمتی سے اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

تاج محل میں جوتیاں اتار کر داخل ہوا جا سکتا ہے۔ ملکہ ممتاز محل اور شاہ جہاں کے مزاروں پر جا کر دعا کی۔ مزاروں پر قرآن مجید کے الفاظ کندہ ہیں۔ باقی عمارت پر اگر بتیاں جلی ہوئی تھیں۔ ان کی خوشبو پھیل کر گرد و نواح کی فضا معطر ہو رہی تھی۔ وضو کے لئے چشموں کا گرم پانی چھوٹی چھوٹی بتیوں نما نالیوں میں آتا تھا۔ سردیوں کے زمانے میں۔ انگریزوں نے دیکھنے کے لئے

کہ یہ سسٹم کیسے لگایا گیا۔ اکھاڑ پھینکا مگر اس کے بعد ویسا سسٹم نہ ایجاد کر سکے۔ اس دلفریب محبت کی یادگار کو دیکھنے کے لئے ٹورسٹ ویگن میں آنا مفید ثابت نہ ہوا کیونکہ وقت اتنا کم تھا کہ دیکھنے کی تشنگی باقی رہی۔ خود ہندوؤں کے تعصب کا یہ حال ہے کہ واپسی پر سکندریہ اور فتح پور سیکری بھی نہ دیکھ سکے۔ کیونکہ سہ پہر ہونے کی وجہ سے مقبرہ نبد ہو چکا تھا۔ لہذا اکبر کا مقبرہ باہر سے ہی دیکھا۔

رات آٹھ بجے کے قریب ٹوسٹ ویگن نے کرشن جی مہاراج کے مندر پر جا کھڑا کیا اور کھلے دو گھنٹے مندر کی سیر کروائی۔ تہ خانے دکھائے جہاں کرشن جی عبادت کرتے تھے۔ یہ مندر متھرا میں ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرے مندر میں متھرا شہر کے آخر میں لے جا کر کھڑا کر دیا کہ یہاں کرشن جی اپنی گائیں چرایا کرتے تھے اور بانسری بجایا کرتے تھے۔ یہاں بھی خریداری کے لئے دکانیں کھلی تھیں۔ کچھ تو گائیڈ کی بدتمیزی پر غصہ تھا کہ اس نے غلط بیانی سے تاج محل دیکھنے کا وقت کم دیا اور مندر کا وافر ٹائم رکھا جو ہمارے پروگرام میں نہ تھا اگرچہ کرشن جی کا مندر بھی تاریخی یادگار ہے مگر اتنا وقت ہمیں تاج محل دیکھنے کا ملتا تو دل زیادہ خوش ہوتا۔ راستے میں ہندو رستوران کا کھانا نہ تو معیاری تھا اور نہ ہی سستا۔ بحر کیف مجبوری کا نام شکریہ تھا۔ رات ڈیڑھ بجے وین والوں نے ماڈل ٹاؤن گھر کے سامنے اتارا۔ اگر ہم ریل، کار یا ٹیکسی کے ذریعہ جاتے تو چاندنی رات میں تاج محل دیکھنے کا لطف دوبالا ہوتا۔

۲/ جنوری کو ہم نے دہلی کے مختلف بازاروں میں خریداری کی۔ خدا کا شکر ہے کہ ٹیکسی والے ایماندار تھے۔ رات کو حاجی کریم بخش کے ہوٹل سے لذیذ کھانا کھایا۔ ۳/ جنوری کو اختی، مسز عباسی بمبئی کے لئے بائی ایر روانہ ہو گئے اور ہم باقی ماندہ چھ افراد امرتسر بائی ٹرین آئے۔ وہاں ہم ایک ہندو فیملی کے ہاں ملنے گئے جن کے ساتھ ہمارے پرانے تعلقات تھے۔ وقت کم تھا مگر پھر بھی ملنے کی خوشی زیادہ تھی۔ اڑھائی بجے کے قریب ہم لوگ ٹیکسی کے ذریعہ لاہور واپس آئے۔

دو روز آرام کر کے ربوہ کا پروگرام بنایا۔ رشتہ داروں میں اب وہاں صرف خالو جان ان کی بیگم اور بیٹا ڈاکٹر حامد تھے۔ جن کے ہاں ہم گئے۔ گول بازار بچوں کو دکھایا۔ برقعوں کا کپڑا خریدا اور درزیوں کو سینے کے لئے دیا۔ مسجد مبارک، مسجد اقصیٰ بھی بچوں کو دکھائی پھر بہشتی مقبرہ گئے جہاں سترہ سال میں تمام عزیز رشتہ دار آن بسے تھے۔ آہ ان کی قبروں پر دعا کرتے ہوئے آنسوؤں کے نذرانے ہی پیش کر سکے کہ اب وہ ہم سے بہت دور جا چکے تھے۔ بچوں نے اپنے نانا جان، پڑنانا جان اور پڑنانی جان کی قبروں پر تصویریں بنوائیں۔ خالو جان کے نو عمر بیٹے بہو کی قبر پر گئے۔ دل میں افسردگی نے ڈیرہ ڈال لیا۔ کاش چند سال پہلے آتے تو ان سب پیاروں سے زندگی میں ملتے۔
شام کو حضرت چھوٹی آپا جان سے ملاقات کرنے گئی وہ خوش بھی ہوئیں مگر قلیل قیام کا سن کر حیران بھی بہت ہوئیں۔ فرمانے لگیں کم از کم دو تین ماہ تو یہاں رہو مگر یہ ہمارے بس میں نہ تھا۔

شام کو چنیوٹ گئے یہاں ہماری پھوپھی اور پھوپھا جان مرحوم کی حویلی اور زمینیں ہیں مگر نہ اب پھوپھی جان تھیں نہ پھوپھا جان دونوں وفات پا چکے تھے۔ حویلی کو مختلف حصوں میں تقسیم کر لیا گیا تھا۔ حویلی کی شان جو ان کی زندگی میں تھی اب ان کے بچوں کے بٹوارے میں ختم ہو چکی تھی۔ دو گھنٹے کے اندر وہاں چھ کزنز اور اپنی بڑی بہن کے ہاں ملاقات کر کے فارغ ہو گئے۔ ملاقات کیا تھی بس دائی کو ہاتھ لگانے والی بات تھی۔ رات بارہ بجے ربوہ واپس آئے۔ دوسرے روز بچوں کو جلسہ گاہ دکھائی۔ ہما کو لے کر جامعہ نصرت گئی جہاں سے

بی - اے کیا تھا وہاں میری دوست صادقہ عرف پھپھی کے علاوہ مس بٹ، مس صادقہ، امۃ الحفیظ جو اب مسز بن چکی تھیں ان سے ملاقات ہوئی۔ پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ وہاں سے لجنہ اماء اللہ کا نیا دفتر ہال دیکھا۔ بے حد خوبصورت سجایا ہوا ہے۔ وہاں کی انتظامیہ بے حد خوش اخلاقی سے ملیں۔ شام کو لاہور واپس آگئے۔

دوسرے روز بچوں کو گورنمنٹ کالج لاہور لے کر گئی جہاں سے میں نے پولیٹیکل سائینس میں ایم - اے کیا تھا۔ لوجیا کے قریب سے پروفیسر احمد حسین صاحب گزر رہے تھے مجھے دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔ میں نے ان کو بتایا کہ میں پولیٹیکل سائینس کے فرسٹ بیچ کی طالبہ تھی۔ کہنے لگے میں تو برقعے سے ہی آپ کو پہچان گیا تھا۔ وہ اب ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ ہو چکے تھے۔ اپنے کمرے میں لے کر گئے چائے پلائی۔ دوسرے پروفیسر رائے صاحب بھی وہیں آگئے۔ ۲۸ سال بعد مل کر بے حد خوش ہوئے۔ انہوں نے کالج کا رسالہ اور کارڈز دیے۔ ملک صاحب نے ان دونوں کی تصاویر بنائیں۔

ایک ماہ میں دوڑیں لگا لگا کر تھک چکے تھے مگر دل ابھی بھرا نہ تھا۔ جانے سے دو روز قبل بھائی جان نصیر نے بچوں کو سرپرائز دیا اور رات کو " مہمان جلسہ سالانہ قادیان " کے عنوان سے نظم سنا کر بے حد محظوظ کیا نظم کے اشعار کچھ یوں تھے۔

یا رب تیرے مہمان میرے گھر میں ہیں اترے
طے کر کے سفر لمبا میرے گھر میں ہیں اترے

فرحاج بھی ہے ساتھ ہما بھی میرے مولا
آئے ہیں یہ مہدی کی وفا میں میرے مولا

ہر دم انہیں اپنی ہی حفاظت میں تو رکھنا
ہر غم سے بچانا انہیں خوش بخت تو رکھنا

فرحاج بہت پیارا ہما اس سے بھی پیاری
اک دل ہے ہمارا تو ہے اک جان ہماری

یہ احمدی بچے ہیں یہ ہیں تیری امانت
قائم رہے دونوں کی خلیفہ سے رفاقت

پھیلائیں یہ جرمن میں تیرے دین کو دونوں
سرشار ہوں تری ہی محبت میں یہ دونوں

کرتا ہے نصیر ان کے لئے روز دعائیں
پھولیں پھلیں اور شان سے بڑھتے چلے جائیں

یا رب تیرے مہمان میرے گھر میں ہیں اترے
طے کر کے سفر لمبا میرے گھر میں ہیں اترے

۱۶/ جنوری ۱۹۹۲ء کو بے حد خوشگوار یادیں سمیٹے ہم پی آئی اے کے ذریعہ فرانکفرٹ واپس آئے۔ باجی ہمعہ شاہ صاحب کینڈا روانہ ہو گئیں۔ گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ روٹی گرم رکھنے والا ڈبہ اور چار تاج محل جہاز میں ہی بھول آئے ہیں۔ پھر بھی خدا کا شکر ادا کیا کہ کہیں ہم خود کو جہاز میں نہیں بھول آئے۔

نوٹ :۔ غلطی سے کمپوزنگ کے دوران مقامات مقدسہ میں سے مسجد البیت کا اقتباس چھوٹ گیا تھا جو اس جگہ لکھا جا رہا ہے۔ (ادارہ معذرت خواہ ہے)۔

۱۲ :۔ مسجد البیت

مارچ ۱۹۰۳ء میں حضور علیہ السلام نے جب آپ کی عمر ۶۸ سال کی ہو چکی تھی اور آپ ضعیف العمری کے باعث بار بار مسجد میں تشریف نہ لا سکتے تھے مسجد البیت کا انتخاب فرمایا اور مسجد نہ جا سکنے کے باعث اس خاص جگہ پر نماز ادا فرماتے اس جگہ پر نماز میں بچے اور عورتیں بھی شامل ہوتے۔

کلام ابن انشاء مرسلہ نرگس ظفر کروم سٹنڈ

آرزوئے تعبیر

یہ بے چینی سی کیسی ہے کچھ اس کا سبب بتلاؤ تو
تم چارہ گر ہو آ کے زخموں کو سہلاؤ تو

ہم مورکھ ہیں ہم پاپی ہیں ہم جو بھی چلو مان لیا
اچھوں سے تو سب ہی کرتے ہیں تم ہم سے کر دکھلاؤ تو

ہم سے ہے گلہ جگ کے اصنام کی پوجا کرتے ہیں
وہ سامنے ہیں تم اوجھل ہو پردے سے باہر آؤ تو

اچھے ہیں برے ہیں جیسے ہیں تمہارے اپنے ہیں
کچھ لاج ہماری رکھ لو اب تم نے ہی کیا ہے چناؤ تو

ترسا ترسا کیوں دیتے ہو کب پیاس بھلا یوں بجھتی ہے
تم اپنی مدھو شالا سے ہمیں کبھو بھر کے جام پلاؤ تو

ہم پریم پجاری ہیں ساجن سب ناز اٹھائیں گے لیکن
کبھی ایک تو میری مانو گر سو منواؤ تو

میں تنہا کب تک بولوں تم بس سنتے رہتے ہو
کچھ من کی ڈھارس بندھے کوئی ایسی بات سناؤ تو

وہ لوگ جو ہم سے دور ہوئے یاد آئیں تو بے کل کرتے ہیں
سینے میں آگ تپتی ہے بھرتے ہیں نہیں یہ گھاؤ تو

اک شخص جو بے حد پیارا تھا مجھے بول یہ اس کے یاد آئے
یہ روز ہی بڑھتے جاتے ہیں اس جیون کے الجھاؤ تو

سن کے میرے گلے ہنس کے بولے کیا تم کو یہ شکوے سجتے ہیں
کبھی اپنے اندر بھی جھانکو کبھی کرنی پہ شرماؤ تو

جب سکھ پایا دور ہوئے اور درد ملا تو لوٹ آئے
کیا پریمی ایسے ہوتے ہیں کچھ پریت کی ریت نبھاؤ تو

اک شخص کے ذمے ڈال دیئے شب کی زاری دن کے نالے
وہ تنہا رہتا ہے کچھ تم بھی نیر بہاؤ تو

اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی　　جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

دیدہ زیب ڈیزائنوں میں بہترین جاپانی اور انڈونیشین کپڑا

موسم گرما کے لئے خوبصورت ڈیزائنوں میں تھائی لینڈ اور پاکستانی لان ، خواتین کیلئے

ریڈی میڈ ملبوسات

کے علاوہ مصنوعی زیورات اور جوتے ، مرد حضرات کیلئے پاکستانی عوامی سوٹ اور کھسّے

نیز

بچوں کے لئے بھی ریڈی میڈ کپڑے دستیاب ہیں

❀

انگلینڈ سے WASH ABLE رضائیاں اور تکیے ۔ سپین سے MORA اور کوریا سے MINK
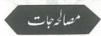
کے اعلیٰ کوالٹی کے کمبل

❀ ❀

پکاڈلی گروسری

موسم گرما کی بہترین سوغات　پاکستانی آم

اس کے علاوہ

آڈیو ، وڈیو کیسٹس ، رسالے ، ڈائجسٹ اور روزنامہ "جنگ" لندن بھی دستیاب ہے

Piccadilly Markt
Konstblerwache (nahe C & A)

LEBENSMITTEL - STOFFE
AUDIO - VIDEO
ORIENTAL SNACK

PORZELLANHOF STR. 6
60313 FRANKFURT/M

069 - 2978321
069 - 281015
Fax : 069 - 285176
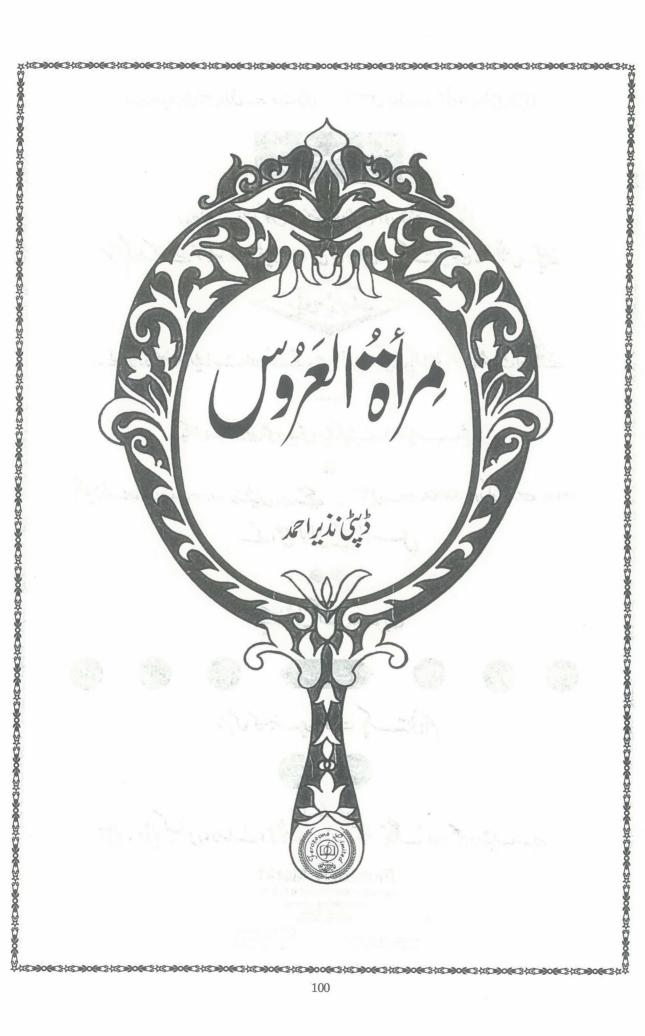
مراۃ العروس
ڈپٹی نذیر احمد

مولوی صاحب: تم کو آخر شبہ ہُوا یا نہ ہُوا؟
اصغری: مجھ کو کیا شبہ ہُوا، اس نے نالش کا ذکر چھیڑ کر سوئی ہُوئی بھڑوں کو جگایا۔
اتنے میں ساس بولیں "پچاس میں سے تم اپنے اکیلے دم کے واسطے تو تیس رُوپے رکھو اور یہاں کُنبے کے واسطے بیس"
مولوی صاحب: گھر کا خرچ اور باہر کا خرچ کہیں برابر ہو سکتا ہے؟ تم نے تو مجھ کو اکیلا سمجھ لیا اور خدمت گار، سواری، مکان، کپڑا لتا؟
بیوی: سواری اور مکان تو سرکار سے ملتا ہے۔
مولوی صاحب: گھوڑا، دانہ گھاس تو مجھ کو اپنی گرہ سے کھلانا پڑتا ہے۔ چار روپے کا سائیس اور مکان کی مرمّت۔ پھر سرکار دربار کے موافق حیثیت، لینا دینا، ہزار بکھیڑے ہیں۔ نہیں معلوم میں کس طرح گزران کرتا ہوں۔
اصغری نے ساس کی طرف مُخاطب ہو کر کہا "امّاں جان، بیس روپے میں تکرار کرنے سے فائدہ؟ جتنا ملتا ہے، ہزار شکر ہے۔ خُدا ابّا جان کی کمائی میں برکت دے۔ یہ بھی ہزاروں ہیں۔
ساس: بیٹی، مجھ سے تو بیس میں گھر نہیں چلتا۔
اصغری نے اشارے سے ساس کو روکا اور مولوی صاحب سے کہا "آپ چاہے دو روپے اور کم دیجیے لیکن جو کچھ دیجیے، ماہ بہ ماہ ملا کرے۔ جب وقت پر پیسہ پاس نہیں ہوتا تو ناچار قرض لینا پڑتا ہے اور قرض سے گھر کی رہی سہی برکت بھی اُڑ جاتی ہے۔
مولوی صاحب: ہندوستانی سرکاروں میں تنخواہوں کا دستور قاعدہ بہت خراب ہے۔ کبھی چھٹے مہینے تقسیم ہوتی ہے، کبھی برسویں دن ملتی ہے۔ اس سبب سے خرچ کا معمول نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہزاری مل سے میں کہہ جاؤں گا کہ ہر مہینے تم کو بیس روپے دے دیا کرے۔
اصغری: مہاجن دے جائے گا تو وُہ آپ سے سود مانگے گا۔
مولوی صاحب: نہیں، سود کیا لے گا۔ ہماری سرکار میں بھی اس کا لین دین ہے۔ وہاں سے حُکم آ جائے گا۔

اصغری: ہاں تو اس کا مضایقہ نہیں۔

غرض بیس روپے تنخواہ ٹھہر گئی۔ لیکن محمد کامل کی ماں کو ناگوار ہوا اور الگ لے جاکر اصغری سے گلہ کیا۔ اصغری نے کہا "گھر تو بیس میں ان شاء اللہ میں چلالوں گی۔ اس کا آپ کچھ فکر نہ کیجیے۔ اور مولوی صاحب واقع میں تیس روپے سے کم میں اپنی حیثیت درست نہیں رکھ سکتے۔ مختار کی نوکری میں اوّل تو اوپر سے آمدنی کی کوئی صورت نہیں اور ہو بھی تو مولوی صاحب کیوں لینے لگے؟ پس گئی بوٹی نپا شوربا۔ مولوی صاحب خود تکلیف میں رہیں اور دو چار روپے گھر میں زیادہ بھی آئے تو مناسب نہیں۔"

یہ سن کر ساس چپ ہو رہیں۔

باب بائیسواں

ماما عظمت کی جگہ دیانت النساء رکھی گئی۔ اصغری کا انتظام خانہ داری

اصغری نے دیانت النساء کو بلا بھیجا اور کہہ سن کر دو روپے اور کھانے پر راضی کر لیا اور جتادیا کہ دیانت النساء، خبردار! کوئی بات ایسی نہ ہو کہ تمھارے اعتبار میں فرق آئے۔ جس طرح تمھاری بڑی بہن ہمارے گھر رہتی ہے، اسی طرح تم رہنا۔

دیانت النساء نے کہا "بیوی، خدا اُس گھڑی کو موت دے کہ پرائے مال پر نظر کروں۔ ضرورت ہو تو تم سے مانگ کر کھاؤں اور نہ ملے تو بھوکی بیٹھی رہوں، پر بے حکم نون تک چکھنا حرام سمجھتی ہوں۔"

عید کے اگلے دن مولوی صاحب تو لاہور سدھارے اور ضرورت کی سب چیزیں اصغری نے اکٹھی منگوالیں۔ اور آیندہ ہمیشہ فصل پر سستی دیکھ کر اکٹھی چیزیں لے رکھتی تھی مرچ، پیاز، دھنیا، اناج، دالیں، چاول، کھانڈ، گھی، لکڑی، اُپلے، سکھانے کی ترکاریاں ہر چیز وقتِ مناسب پر خرید کی جاتی تھی۔ ماما ملا کر پانچ آدمی تھے۔ دونوں وقت میں سیر بھر گوشت آتا تھا۔ اِس میں

دیانتُ النّساء دو طرح کا کر لیتی تھی۔ کبھی آدھے میں ترکاری اور آدھا سادہ۔ کبھی آدھے میں کباب۔ سالن کے علاوہ دن کو ایک وقت دال، ساتویں دن پُلاؤ اور میٹھے چاولوں کا معمول تھا۔ گھر میں دو تین قسم کی چٹنی کوئی چاشنی دار کوئی عرقِ نعناع کی، کوئی سرکے کی۔ دو چار قسم کا اچار مُربّا بنا رکھا۔ اِن کے علاوہ شربتِ انار، لیموں کی سکنجبین، شربتِ بنفشہ، شربتِ نیلو، شربتِ فالسہ کی ایک ایک بوتل بنالی۔ ہر طرح کا ضروری سامان گھر میں رہا کرتا تھا۔ باوجود اِس سامان کے پندرہ روپے سے زیادہ خرچ نہیں ہوتا تھا۔ پانچ روپے جو بچتے تھے اس سے بڑے بڑے پنسیرے اور دس سیرے دو پتیلے، ایک سینی، کچھ چھوٹے چمچے، دو لوٹے، ایک عدد چائے کے لوازم، اس قسم کی چیزیں خرید ہوئیں۔ دو صندوق بنوائے گئے۔ الماریاں ایک باورچی خانے میں، ایک اسباب کی کوٹھڑی میں۔ بیٹھنے کے تخت پُرانے تھے، وُہ درُست ہوئے۔ دو پلنگ تیار ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ اصغری نے اِسی بیس روپے میں گھر کو وُہ جِلا دی کہ ظاہر حال میں بڑی رونق معلوم ہوتی تھی۔ ہر چیز میں کفایت اور انتظام کو دخل دیا۔

عظمت کے دفتوں میں، ہمیشہ محمودہ کے واسطے تین چار پیسے روز کا سودا بازار سے آتا تھا۔ اس واسطے کہ کبھی دسترخوان میں ایک ٹکڑا نہیں بچا۔ اب دونوں وقت دو چار روٹیاں دسترخوان میں رہنے لگیں۔ کبھی بھُنتے میں سے دو بوٹیاں محمودہ کے لیے نکال رکھیں۔ کبھی ایک چٹکی کھانڈ نکال دی۔ کبھی مربّے کی ایک پھانک دے دی۔ روز کا سودا موقوف ہوا۔ کسی دن کبھی کبھار جو محمودہ کا جی چاہا تو کچھ منگوا لیا۔ اِس گھر سے فقیر کو عُمر بھر ایک چٹکی آٹا یا آدھی روٹی نہیں ملی تھی۔ اب دونوں وقت دو دو روٹیاں فقیروں کو بھی دی جانے لگیں۔ گھر میں جو کچھ اسباب تھا، عجب بدسلیقگی سے ساگ مولی کی طرح پڑا رہتا تھا۔ اب ہر ایک چیز ٹھکانے لگی۔ کپڑوں کی گٹھڑیاں ہیں تو کپڑے اچھّی طرح تہ کیے ہوئے، ترتیب سے بندھے ہیں۔ اناج پانی کی کوٹھڑی میں ہر ایک شے احتیاط سے ڈھکی ہوئی ہے۔ برتن صاف سُتھرے اپنی جگہ رکھے ہیں۔ چینی کے الگ، تانبے کے الگ۔ گویا گھر ایک کل تھی۔ جب کوک دیا کل اپنی معمول سے چلنے لگی۔ رفتہ رفتہ دو دو چار چار روپے پس انداز ہونے لگے اور اصغری اُن کو بطورِ امانت علیحدہ جمع کرتی گئی۔ جب سے اصغری نے گھر کا اہتمام اپنے ہاتھ میں لیا، قرض لینا ختم ہو گیا۔ بھُول کر بھی

دمڑی چھدام تک کی چیز بازار سے اُدھار نہ آئی۔ اصغری گھر کا سب حساب ایک کتاب میں لکھا کرتی تھی۔ جب کوئی چیز ہو چکنے پر آئی اور دیانت النّساء نے اِطّلاع کی کہ بیوی دو دن کا اور ہے۔ اصغری نے کتاب نکال کر دیکھی کہ کس تاریخ کو کتنا گھی آیا اور کتنے روز کے حساب سے خرچ ہُوا۔ اگر بے حساب ہوا تو دیانت سے باز پُرس کی۔ مجال نہ تھی کہ کسی چیز میں فضول خرچی ہو اور بے حساب اُٹھ جائے۔ پسائی والی کی پسائیاں اور دھوبن کی دُھلائیاں تک کتاب میں لکھی جاتی تھیں۔

باب تیئیسواں

اصغری نے اپنے میاں سے کھیل کو چھڑا کر اُس کو پڑھنے پر مُتوجّہ کیا

جب ہر ایک چیز کا معمول بندھ گیا اور انتظام بیٹھ گیا، اصغری دُوسرے کاموں کی طرف متوجّہ ہوئی۔ محمد کامل پڑھتا لکھتا تو تھا لیکن ویسی ہی بے تدبیری اور بے شوقی سے جس طرح آزاد مختار لڑکے پڑھا کرتے ہیں۔ باپ تو باہر رہتے تھے۔ محمد عاقل گو بڑا بھائی تھا لیکن دونوں بھائیوں میں صرف ڈھائی برس کی بڑائی چھُٹائی تھی۔ محمد کامل پر اس کا دباؤ کم تھا بلکہ نہیں تھا۔ پس محمد کامل صُبح و شام سبق بھی پڑھتا تھا اور ہم عُمر لڑکوں میں گنجفہ، شطرنج، چوسر بھی کھیلا کرتا تھا۔ بعض مرتبہ کھیل میں مصروف ہوتا تو پہر پہر بھر رات گئے گھر آتا۔ اصغری کو یہ حال معلوم تھا۔ لیکن موقع ڈھونڈتی تھی کہ ایسے ڈھب سے کہنا چاہیے کہ ناگوارِ خاطر نہ ہو۔ ایک روز محمد کامل بہت رات گئے آیا اور شاید بازی جیت کر آیا تھا۔ خوش تھا۔ آتے کے ساتھ کھانا مانگا۔ دیانت النّساء سالن گرم کرنے دوڑی۔ محمد کامل سمجھا کہ ابھی پکار ہی ہے۔ پُوچھا "ماما، ابھی تک تمھاری ہنڈیا چولہے سے نہیں اُتری؟"

اصغری نے کہا "کئی دفعہ اُتر اُتر کر چڑھ چکی ہے۔ ایسے ناوقت تم کھانا کھاتے ہو کہ کھانا ٹھنڈا ہو کر مٹّی ہو جاتا ہے۔ یا ایسا بندوبست کرو کہ سویرے کھا جایا کرو یا کھانا باہر

منگوالیا کرو۔ اِدھر تمہارے انتظار میں اماں جان کو ہر روز تکلیف رہتی ہے۔"
محمد کامل: تم لوگ میرے منتظر رہتے ہو؟ میں تو جانتا تھا کہ تم کھا لیا کرتی ہو گی۔"
اصغری: خدا رکھے، مردوں کے ہوتے عورتوں کو کھانا ٹھونس بیٹھنا کیا مناسب ہے؟
محمد کامل: دو چار روز کی بات ہو تو گزر ہو سکتی ہے۔ آخر میری ہی نا رضامندی کا خیال ہے تو میں خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ تم لوگ کھانا کھا لیا کرو۔
اصغری اس وقت تو چپ ہو رہی۔ کوٹھے پر پھر محمد کامل نے خوب چھیڑ کر اسی بات کو کہا تو اصغری بولی "تعجب کی بات ہے۔ تم اپنے معمول کے خلاف نہیں کر سکتے اور ہم لوگوں سے چاہتے ہو کہ اپنا معمول توڑ دیں۔ تم ہی سویرے چلے آیا کرو۔"
محمد کامل: کھانے کے بعد باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا اور مجھ کو نیند دیر سے آتی ہے۔ گھر میں بے شغل پڑے پڑے جی گبھراتا ہے۔ اس واسطے میں قصداً دیر کر کے آتا ہوں کہ کھانے کے بعد سو رہوں۔
اصغری: شغل تو اپنے اختیار میں ہے۔ آدمی اپنے وقت کو ضبط کرے تو ہزاروں کام ہیں۔ ایک پڑھنے کا شغل کیا کم ہے۔ میں اپنے بڑے بھائی کو دیکھا کرتی تھی کہ آدھی آدھی رات تک کتاب دیکھتے اور جس دن اتفاق سے سو جاتے تو بڑا افسوس کیا کرتے تھے۔ تم پڑھنے میں محنت کم کرتے ہو۔ اسی واسطے بے شغلی سے تمہارا جی گبھراتا ہے۔
محمد کامل: اور کیا محنت کروں؟ دونوں وقت سبق پڑھ لیتا ہوں اور یاد کر لیتا ہوں۔
اصغری: نہیں معلوم تم کیسا پڑھنا پڑھتے ہو۔ جس دن عظمت کا حساب کتاب ہوا تھا، ابا جان تم سے حساب پوچھتے تھے اور تم بتا نہیں سکتے تھے۔ مجھ کو شرم آتی تھی۔
محمد کامل: حساب دوسرا فن ہے۔ میں عربی پڑھتا ہوں۔ اس سے اور حساب سے کیا واسطہ؟
اصغری: پڑھنا لکھنا اسی واسطے ہوتا ہے کہ دنیا کا کوئی کام اٹکا نہ رہے۔ بڑے بھائی فارسی بہت پڑھ گئے ہیں، لیکن نوکری نہیں ملتی۔ ابا کہا کرتے ہیں کہ حساب کتاب اور کچہری کا کام جب تک نہ سیکھو گے نوکری کا خیال مت کرو۔ اب مالِ اندیش مدرسے میں پڑھتا ہے اور حساب کتاب میں بڑے بھائی سے زیادہ ہوشیار ہے۔ ابا اس سے بہت خوش ہیں اور کہا

کرتے ہیں کہ دو برس مدرسے میں اور پڑھو پھر تم کو کہیں نہ کہیں نوکری کرادُوں گا۔

محمد کامل: تو میں بھی مدرسے میں داخل ہو جاؤں؟

اصغری: مدرسے میں داخل ہونے پر کیا منحصر ہے۔ یُوں شہر میں کیا سکھانے والے نہیں ہیں؟ جتنا وقت تم کھیل میں ضائع کرتے ہو، اسی میں صرف کیا کرو۔

محمد کامل: کھیل کیا میں دن رات کھیلتا ہوں؟ کبھی گھڑی دو گھڑی کو بیٹھ گیا۔

اصغری: کھیلنا افیون کی سی عادت ہے۔ تھوڑے سے شروع ہو کر بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ لت پڑ جاتی ہے اور پھر اِس کا چھوٹنا مشکل ہوتا ہے۔ اوّل تو یہ کھیل گناہ ہیں۔ اِس کے علاوہ آدمی کو دُوسرے کمال حاصل کرنے سے روکتے ہیں۔ کام کاج کے آدمی کبھی نہیں کھیلتے۔ نکمّے لوگ البتہ اسی طرح دن کاٹتے ہیں۔ اِن کھیلوں میں جیسا بازی جیتنے سے جی خوش ہوتا ہے، ہارنے سے رنج بھی ہوتا ہے اور جس طرح وُہ خوشی بے اصل ہوتی ہے، یہ رنج بھی ناحق ہوتا ہے۔ اور اکثر کھیلتے کھیلتے آپس میں مُفت کی تکرار ہو جاتی ہے۔ میری صلاح مانو تو ان کھیلوں کو بالکل موقوف کرو۔ لوگ تمھارے مُنھ پر تو کچھ نہیں کہتے۔ لیکن پیچھے ہنستے ہیں۔ پرسوں اترسوں کی بات ہے کہ تُم کو کوئی مردوا بلانے آیا تھا۔ ماما کے جواب دیا کہ باہر سدھار گئے ہیں۔ اس مردوئے نے طعنے کے طور پر اپنے ساتھ والے سے کہا، میاں ماسٹر حسینی کے مکان پر چلو۔ وہاں شطرنج کے جمگھٹے میں ملیں گے۔ ابّا جان کا شہر میں بڑا نام ہے۔ لوگ اُن کے مُعتقد ہیں۔ ایسی جگہ جانے سے آدمی بدنام ہوتا ہے۔ مَیں نے ابّا جان کو افسوس کرتے سُنا کہ ہائے ہماری تقدیر! دو لڑکوں میں کوئی بھی ایسا نہ ہُوا کہ اس کو دیکھ کر جی خوش ہوتا۔ عاقل کو کچھ لکھایا پڑھایا تھا۔ اب وُہ بھی اپنی نوکری کے پیچھے ایسا پڑا ہے کہ لکھا پڑھا بھی بھُول گیا۔ یہ چھوٹے صاحب ہیں، اِن کو کھیل کُود سے فرصت نہیں۔ بلکہ ہمارے ابّا جان کو بھی کسی نے اس کی خبر کر دی۔ مجھ سے پوچھتے تھے۔ میں نے کسی طرح اس وقت بات کو ٹال دیا۔

اصغری کی نصیحت نے محمد کامل پر بہت عُمدہ اثر کیا اور اس نے کھیلنا بالکل چھوڑ دیا، پہلے کی نسبت عربی پر بھی زیادہ محنت کرنے لگا اور ایک مُدرّس سے مدرسے کے باہر

حساب کتاب بھی سیکھنا شروع کر دیا۔ خُدا نے وقت میں بڑی برکت دی ہے۔ اس کو انتظام کے ساتھ صرف کرنے سے چند روز میں محمد کامل کی استعدادِ عربی بھی درست ہو گئی اور حساب اور ریاضی کی بھی کتابیں نکل گئیں۔

باب چوبیسواں

اصغری نے لڑکیوں کا مکتب بٹھایا

محمد کامل تو ادھر مصروف رہا، اصغری نے اسی عرصے میں ایک اور کارخانہ جاری کیا۔ اس محلّے میں حکیم روح اللہ خاں بڑے نامی گرامی آدمی تھے۔ حکیم صاحب خود تو سرکار مہاراجا پٹیالہ میں دیوان تھے لیکن گھر بار، لڑکے بچّے سب اسی محلّے میں تھے۔ مکان، محلّات، نوکر چاکر، بڑا کارخانہ تھا، اور یہ گھر شہر کے اُونچے گھروں میں گنا جاتا تھا۔ اُونچی جگہ رشتے ناتے، اُونچے لوگوں سے راہ و رسم۔ حکیم صاحب کے چھوٹے بھائی فتح اللہ خاں بہت مُدّت تک والیِ اندور کی سرکار میں مختارِ کُل رہے اور جب اس سرکار میں منشی عمو جان کو بڑا دخل ہُوا، مصلحتِ وقت سمجھ کر کنارہ کش ہو گئے۔ لیکن لاکھوں روپیہ گھر میں تھا۔ نوکری کی کچھ پروا نہ تھی۔ ہزاروں روپے کی املاک شہر میں خرید کر لی تھی۔ سینکڑوں روپیہ ماہواری کرائے کا چلا آتا تھا۔ بڑی شان سے رہتے تھے۔ ڈیوڑھی پر سپاہیوں کا گارد۔ اندر باہر تیس چالیس آدمی نوکر۔ گھوڑا، ہاتھی، پالکی، بگھی سواری کو موجود۔

فتح اللہ خاں کی دو بیٹیاں تھیں، جمال آرا اور حسن آرا۔ جمال آرا نواب اسفندیار خاں کے بیٹے سے بیاہی گئی تھیں۔ لیکن ایسی ناموافقت ہوئی کہ آخر کار قطع تعلّق ہو گیا۔ کچھ خدا ناخواستہ طلاق نہیں ہوئی تھی لیکن کسی طرح کا واسطہ باقی نہیں رہا تھا۔ جہیز کا اسباب تک پھر آیا تھا۔ حسن آرا کی نسبت نواب جھجّر کے خاندان میں ہوئی۔ ان لڑکیوں کی خالہ شاہ زمانی بیگم اُسی محلّے میں رہتی تھیں جس میں اصغری کا میکہ تھا۔ اس محلّے میں تو اصغری کی لیاقت کا شور تھا۔ شاہ زمانی

بیگم بھی اصغری کے حال سے خوب واقف تھیں۔ شادی بیاہ میں کئی مرتبہ ان کو دیکھا تھا۔
شاہ زمانی بیگم اپنی چھوٹی بہن حسن آرا کی ماں سے ملنے کے لیے آئیں۔ دُنیا کا دستور ہے کہ کوئی فرد بشر رنج سے خالی نہیں، اور یہ امر کچھ من جانب اللہ ہے۔ اگر ہر طرف سے خوشی ہی خوشی ہو تو انسان خُدا کو بھی بھول کر یاد نہ کرے اور نہ اپنے تئیں بندہ سمجھے۔ شاہ زمانی کی چھوٹی بہن سلطانہ کو دُنیا کے سب عیش میسر تھے لیکن لڑکیوں کی طرف سے رنجیدہ خاطر رہا کرتی تھیں۔ اُدھر جمال آرا بیاہ برات ہو ہوا کر اُجڑی ہوئی گھر بیٹھی تھیں، اِدھر حسن آرا کے مزاج کی اُفتاد ایسی بُری پڑی تھی کہ اپنے گھر ہی میں سب سے بگاڑ تھا۔ نہ ماں کا لحاظ، نہ آپا کا ادب، نہ باپ کا ڈر۔ نوکر ہیں کہ آپ نالاں ہیں۔ لونڈیاں ہیں کہ الگ پناہ مانگتی ہیں۔ غرض حسن آرا سارے گھر کو سر پر اُٹھائے رہتی تھی۔ شاہ زمانی بیگم کے آنے سے چاہیے تھا کہ بڑی خالہ سمجھ کر حسن آرا گھڑی دو گھڑی کو چُپ ہو کر بیٹھ جاتی، کیا ذکر! شاہ زمانی بیگم کو پالکی سے اُترے دیر نہ ہوئی تھی کہ لگاتار دو تین فریادیں آئیں کہ بیگم صاحب دیکھیے چھوٹی صاحبزادی نے میری نئی اوڑھنی لیر لیر کر ڈالی۔ اب مجھے کون بنا کر دے گا؟ سوسن نے فریاد مچائی کہ بیگم صاحب چھوٹی صاحب زادی نے میرے گلے میں چکنا بھر لیا۔ گلاب بلبلا اُٹھی کہ ہائے! میرا کان خونا خون ہو گیا۔ دائی چلائی کہ دیکھیے، میری لڑکی کم بخت کے ایسے زور سے لکڑی ماری کہ بازو میں بدھی پڑ گئی۔ باورچی خانے سے ماما نے دہائی دی، اچھی، خُدا کے لیے کوئی اِن کو سمجھاتا۔ سالن کی پتیلیوں میں مُٹھیاں بھر بھر کر راکھ جھونک رہی ہیں۔

شاہ زمانی بیگم نے آواز دی "حُسنا، یہاں آؤ۔"

خالہ کی آواز پہچان بارے حسن آرا چلی تو آئی لیکن نہ سلام نہ دُعا۔ ہاتھوں میں راکھ پاؤں میں کیچڑ۔ اسی حالت میں دوڑ خالہ سے لپٹ گئی۔ خالہ نے کہا "حُسنا تم بہت شوخی کرنے لگی ہو۔"

حسن آرا نے کہا "اس سُنبل چڑیل نے فریاد کی ہوگی۔" یہ کہہ کر خالہ کی گود سے نکل لپک کر سُنبل کا سر کھسوٹ لیا۔ بہتیرا خالہ ایں ایں کرتی رہیں، ایک نہ سُنی۔

شاہ زمانی بیگم اپنی بہن کی طرف مخاطب ہو کر بولیں "بوا سُلطانہ، اس لڑکی کے لیے

قدرتِ ثانیہ کے چوتھے مظہر

سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد
خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ
تعالیٰ بنصرہ العزیز

برموقعہ جلسہ سالانہ جرمنی 199۴ - نیشنل صدر صاحبہ - نیشنل عاملہ ممبرز اور
فرینکفرٹ کی لجنہ ممبرات حضورِ اقدس کو الوداع کہتے ہوئے ۔

خصوصی پیشکش

ایشین ریسٹورنٹ میں ہمارا سپیشل مینو

بتھورے۔

چکن کری۔

لم کری۔
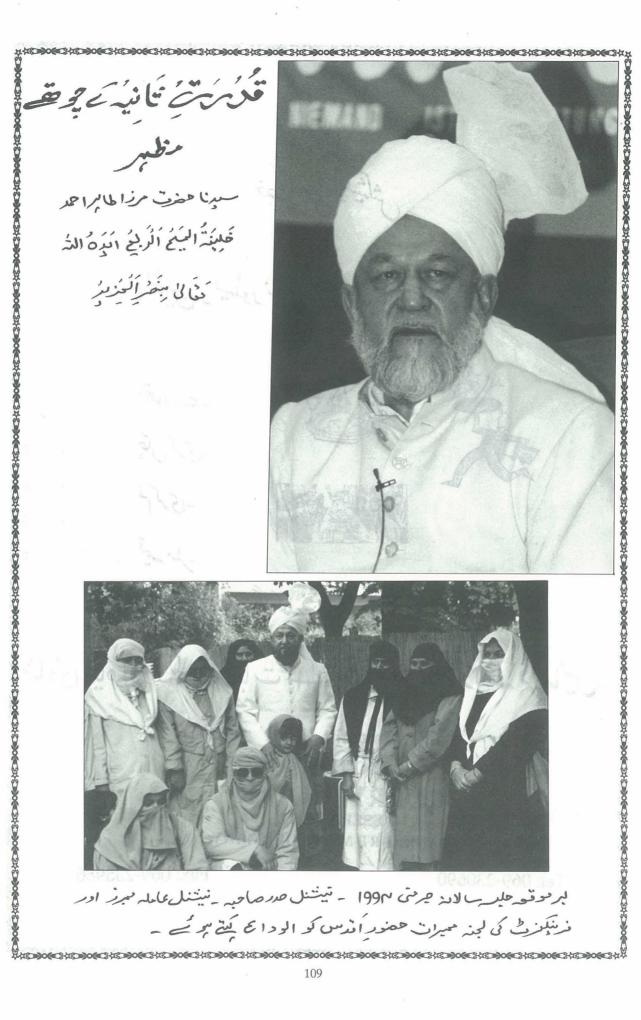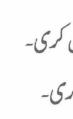
قیمہ مٹر۔

تنوری چکن اور دیگر کھانے۔

شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کے لیے ہم سے رابطہ فرمائیں۔

Mr. Kamaljit Jhand

INDIAN

CURRY HOUSE

WESER STR. 17

FRANKFURT MAIN GERMANY

Tel: 069-230690 Fax: 069-235986

جرمنی میں مقیم پاکستانی و انڈین بہنوں اور بھائیوں کیلئے

کھانے پینے کا سامان

اخبارات و رسائل

وڈیو فلمیں

آڈیو کیسٹز

روزانہ تازہ سبزی

خصوصی پیشکش

ٹلڈا باسمتی چاول 5KG. 22.50,- 10 KG 44.-DM

دنیا بھر کے کسی بھی ملک میں ہوائی جہاز کے آرام دہ اور معیاری سفر کیلئے
ہم سے رابطہ کریں

MR. BHATTI

PUNJABI SHOP

WESER STR.15

FRANKFURT MAIN GERMANY

Tel: 069-253542 Fax: 069-235986

مُوسیٰ پلٹ کہ وادیٔ ایمن اُداس ہے

پیغام آ رہے ہیں کہ مسکن اُداس ہے
طائر کے بعد اُس کا نشیمن اُداس ہے

اک باغباں کی یاد میں سرو و سمن اُداس
اہلِ چمن فسردہ ہیں، گلشن اُداس ہے

نرگس کی آنکھ نم ہے تو لالے کا داغ اُداس
غنچے کا دِل حزیں ہے تو سوسن اُداس ہے

ہر موجِ خونِ گُل کا گریباں ہے چاک چاک
ہر گُلبدن کا پیرہنِ تن اُداس ہے

آزردہ گُل بہت ہیں کہ کانٹے ہیں شادکام
برقِ تپاں ہے خندہ زن، خرمن اُداس ہے

سینے پہ غم کا طُور لیے پھر رہا ہے کیا
مُوسیٰ پلٹ کہ وادیٔ ایمن اُداس ہے

بس نامہ بر اتنا تو جی نہ دُکھاؤ آج
پہلے ہی دل کی اِک اِک دھڑکن اُداس ہے

بن باسیوں کی یاد میں کیا ہونگے گھر اُداس
جتنا کہ بن کے باسیوں کا من اُداس ہے

مجنوں کا دشت اداس ہے صحنِ چمن اُداس
صحرا کی گود لیلیٰ کا آنگن اُداس ہے

چشمِ حزیں میں آ تو بسے ہو میرے حبیب
کیوں پھر بھی میری دید کا مسکن اُداس ہے

گھبرا کے دردِ ہجر سے اَے میہمانِ عشق
جس من میں آ کے اترے ہو وہ من اُداس ہے

آنکھوں سے جو لگی ہے جھڑی تھم نہیں رہی
آ کر ٹھہر گیا ہے جو ساون اُداس ہے

بس یادِ دوست اور نہ کر فرشِ دل پہ رقص
سن کتنی تیرے پاؤں کی جھانجھن اُداس ہے

لو نغمہ ہائے دردِ نہاں تم بھی کچھ سُنو
دیکھو نا، میرے دل کی بھی راگن اُداس ہے